

ماہنامہ

# پیامعرفات

رائے بریلی

کاغذ نو

## وقت احتساب

”جب قوم میں اتنی ہمت اور جرأت نہ ہو کہ اپنے قائد کی غلط کاری پر ٹوک سکے تو ایسی قوم کو جو سر پھرا چاہے غلام بن سکتا ہے، ہر جاہل اور حمق اس کی عزت و شرف کی دھجی بکھیر سکتا ہے، ایسی قوم ہر ظلم و زیادتی کا شکار ہو سکتی ہے، اور ہر استعمار کے لیے لقمہ تثابت ہوتی ہے۔“

(مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)



مركز الإمام أبي الحسن الغدوی  
دار عرفات، تکیہ کلال، رائے بریلی

MAR 17

₹10/-

## امراض باطنی کی سگنی

### مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

”اہل سے یہ انسان کی فطری کمزوری رہی ہے کہ وہ خارجی خطرات اور غیروں کی دشمنی کا یقین رکھتا ہے اور ان کو پوری اہمیت دیتا ہے، لیکن خطرات کی ان بنیادوں اور اس کے گھرے سرچشمتوں سے غفلت کا شکار رہتا ہے، اور ان کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتا جو قوم کے قلب و ضمیر اور معاشرہ کے رُگ و ریشہ میں سائے رہتے ہیں، جو اجتماعی زندگی عوام کے اخلاق میں گھر کر چکے ہیں، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلیغ اور مؤثر زبان میں منتبہ کیا (جس کو قریش کے ذہین لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے بخوبی سمجھتے تھے) کہ تم کو چاہیے کہ اس مہلک اور مستقل خطرہ سے خود اور ہوتھمارے جسم و جان میں پوشیدہ ہے، لیکن آنکھوں سے نظر نہیں آتا، تم اس وقت تک مستقل خطرات کی زد پر ہو اور گھر کے کمزور کنارہ پر کھڑے ہو، جب تک جاہلیت اور بت پرستی پر قائم رہو گے، انفرادی مفاد کو اجتماعی مصالح پر ترجیح دیتے رہو گے، وقت فوائد اور لذائز کو دائیٰ وابدی منافع سے بہتر سمجھتے رہو گے، کمزوروں کے مقابلہ میں طاقتوروں کو فویت دیتے رہو گے، اور ان کی جنبہ داری کرتے رہو گے، جب تک تم مادہ پرستی کے چنگل میں گرفتار رہو گے، طاقت کے سامنے سرگوں رہو گے، اور خود تراشیدہ بتوں کی تقدیمیں تمہارے دلوں میں سمائی رہے گی، خواہ وہ بت پتھر کے ہوں یا انسانی ہاتھوں کے صنایع کے رہیں منت ہوں، یا فکر انسانی کے ساختہ پرداختہ، وہ علم و تحقیق کے منت کش ہوں یا خیالات کی بلند پروازی اور امیدوں و آرزوں کے دلکش خواب کا نتیجہ، جب تک تمہارے یہ حالات باقی رہیں گے خطرات کا سرچشمہ بند نہیں ہو سکتا۔“

(علم عربی کا الیہ، ص: ۱۱۳-۱۱۵)

”ہم وباوں سے ڈرتے ہیں، امراض سے گھبراتے ہیں، بلاوں کی دہشت ہمارے دلوں میں سمائی ہوئی ہے، اور اس کے لیے ہر طرح کی احتیاطی تدبیریں عمل میں لاتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی کہہ دے کہ یہاں کالرا کا ایک کیس ہو گیا ہے تو پورے شہر میں دہشت پھیل جاتی ہے، ہر شخص پر خوف مسلط ہو جاتا ہے، اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس وبا کا سب سے پہلا شکار وہی ہو گا، لیکن اخلاقی امراض، یہ غلط اخلاق و عادات، جن کو اللہ اور رسول ناپسند کرتے ہیں، یہ مادہ پرستی، شہوت پرستی، ہر جگہ قوت کے سامنے سرگوں ہو جانا، خواہشات کی بے قید اطاعت، جذبات کی رو میں بہہ جانا، ہبہ و لعب میں انہاک، رقص و سرود، ڈینی تسلیم اور آرام طبی و عیش کو شی کے دیگر وسائل میں حد سے بڑھی ہوئی دچپسی، قیادتوں اور نعروں کی اندھی تقليد، حقائق سے چشم پوشی، بار بار کے تجربات سے عبرت نہ حاصل کرنا، امیدوں اور آرزوں کی بے لگامی، انسانوں کاحد سے بڑھا ہوا احترام، سیاسی اور غیر سیاسی لیدروں اور رہنماؤں کی تقدیمیں اور ان کے بارے میں غلط فہمیوں اور لغزشوں سے معصومیت کا اعتقاد، یہ امراض ہمارے انجام اور ہمارے معاشرہ کے لیے ہزاروں دشمنوں اور دشمن کے ہزاروں لشکروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ مہلک اور کہیں زیادہ تشوشیشاک ہیں۔“

(علم عربی کا الیہ، ص: ۱۱۵)

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

# پیام عرفات

مركز الامام أبي الحسن الندوی دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)

شمارہ: ۳

ماہیج ۲۰۱۷ء

جلد: ۹

**سرپرست:** حضرت مولانا مسیح مدرس شیخ ندوی مدظلہ (صدر، دارعرفات)

**نگران:** مولانا محمد واضح رشید شیخ ندوی مدظلہ (جزل سکریٹری، دارعرفات)

## مجلس ادارت

بلال عبدالحی حسین ندوی

مفتی راشد حسین ندوی

عبدالسبحان ناخدان ندوی

محمود حسن حسین ندوی

محمد حسن ندوی

## معافون ادارت

محمد تقیس خاں ندوی

محمد امغسان بدایوی ندوی

﴿يُرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللّٰهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللّٰهُ إِلَّا

أَن يُتَمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ﴾ (التوبۃ: ۳۲)

(وہ چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بمحادیں جکہ  
اللہ اپنے نور کو پورا کر کر ہے گا خواہ کافروں کو کیسا ہی برا لگے)

سالانہ زرع تعاون:-/100

Mail: markazulimam@gmail.com

رنی شمارہ:- Rs.10/-

پرائز پلائرسٹر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرائز، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبد اللہ خاں، بیڑی منڈی، ایشیان روڈ، رائے بریلی سے طبع کراکر ففرز "پیام عرفات" پرائز پلائرسٹر محمد حسن ندوی، دارعرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔  
[www.abulhasanalinadwi.org](http://www.abulhasanalinadwi.org)

# فہرست

## الحمد لله رب العالمين

نتیجہ فکر:- حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر کی

سبھی خوبی سبھی تعریف ہے اللہ کو زیبا  
بزرگی ہے اسی آقاۓ عالی جاہ کو زیبا  
وہ ہے سارے چہانوں کا خدائے برتر و بالا  
برابر ساری خلوقات کا ہے پالنے والا  
بہت ہی مہرباں ہے وہ بڑا ہی مہرباں ہے وہ  
سدرا رحمت فشاں رحمت فشاں ہے وہ  
وہی روز قیامت کا اکیلا حکمران ہوگا  
کسی کا مشورہ ہوگا نہ کوئی درمیاں ہوگا  
خداوند! اترے آگے ہم اپنا سر جھکاتے ہیں  
تجھی کو پوچھتے ہیں بس تجھی سے لوگاتے ہیں  
خداوند! تجھی سے چاہتے ہیں ہم مددگاری  
تجھے آتی ہے آپنے آرزومندوں کی دل داری  
دکھادے ہم کو سیدھی راہ، سیدھی راہ پر لے چل  
جنہیں تو نے نواز اہے انہیں کی راہ پر لے چل  
نہ ان کی راہ پر لے چل، خدائی مار ہے جن پر  
تری پھٹکار ہے جن پر، تری دھٹکار ہے جن پر  
نہ ان کی راہ پر لے چل، بھٹک کر رہ گئے ہیں جو  
ملمع کی طرح چمکے، چمک کر رہ گئے ہیں وہ

- |         |                                           |
|---------|-------------------------------------------|
| ۳.....  | کامیابی کاراسٹہ (اداریہ)                  |
| .....   | بلال عبدالحی حسنی ندوی                    |
| ۲.....  | فکرِ آخرت                                 |
| .....   | حضرت مولانا سید محمد راجح حسنی ندوی مدظلہ |
| ۶.....  | جذبہ ایثار و ہمدردی                       |
| .....   | مولانا سید عبد اللہ حسنی ندوی             |
| ۸.....  | توحید کیا ہے؟                             |
| .....   | بلال عبدالحی حسنی ندوی                    |
| ۱۱..... | علم کی روشنی                              |
| .....   | عبدال سبحان ناخدا ندوی                    |
| ۱۲..... | نفل نمازیں                                |
| .....   | مفتی راشد حسین ندوی                       |
| ۱۳..... | آسمان ہدایت کے درخشان ستارے               |
| .....   | سید محمود حسن حسنی ندوی                   |
| ۱۵..... | مسلمانوں کی تعلیمی پسمندگی                |
| .....   | محمد غوث سیوانی                           |
| ۱۶..... | آسمانی کتابوں پر ایمان                    |
| .....   | محمد امغان بدایوی ندوی                    |
| ۱۷..... | ڈونالڈ ٹرمپ کی فتح                        |
| .....   | محمد نعیسی خاں ندوی                       |
| ۱۹..... | صحابہ والی نماز                           |
| .....   | ابوالعباس خاں                             |

مدیر کے قلم سے

## گامیابی کا راستہ

| بلاں عبدالحی حسن ندوی

وہ قومیں ترقی کرتی ہیں جو تاریخ کا مطالعہ کرتی ہیں اور عروج و زوال کے اسباب پر غور کرتی ہیں، اور ان سے سبق لیتی ہیں۔ مسلمانوں کا ایک زمانہ عروج کا تھا، جب دنیا پر ان کی حکمرانی تھی، علم کا ہر قفل ان کی چاپی سے کھلتا تھا، انہوں نے دنیا کو علم کی روشنی عطا کی، انسانوں کو جینے کا ہنس رکھا یا، دنیا کے لیے وہ سنہرہ اور تھا، پھر تاریخ نے پلٹا کھایا، مسلمانوں نے الٹا سفر شروع کر دیا، انہوں نے زمینی حقائق کو نظر انداز کرنا شروع کر دیا، علم کی چاپیاں ان کے ہاتھ سے نکلتی گئیں، انہوں نے اپنے آپ کو زندگی کے دھارے سے الگ کر لیا، اور اکثریت اسی دھارے میں ایسی ہی کہ اس کے ہواں درست نہ رہے، نتیجہ زوال کی شکل میں آیا اور ایسا آیا کہ اس دنیا میں ان کی پستی کے چھپے ہونے لگے۔

پندرہویں صدی ایک چمک لے کر طلوع ہوئی، اور لگا کہ مسلمانوں میں احساس پیدا ہو گیا اور شاید یہ صدی مسلمانوں کی ہوگی، مگر حالات نے پھر کروٹ لی اور مسلمانوں کو اپنے مسائل میں آہستہ آہستہ ایسا الجھاد یا گیا کہ پھر وہی حالات نظر آنے لگے، کوششیں ہوتی بھی ہیں تو ان میں غیروں کی پر چھائیاں نظر آنے لگتی ہیں، خود ہماری ذمہ داری کیا ہے؟ ہم کہاں جا رہے ہیں؟ ہمارا سماج کن خرابیوں سے جوں رہا ہے؟ اندر اندر کہاں سے پانی مر رہا ہے؟ کہاں کہاں پر بنیادیں کمزور کی جا رہی ہیں؟ یہ سب وہ سوالات ہیں جن کا حل تلاش کرنا ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

اوپر اور سے لاکھ مخت کی جائے، لیکن اس سے کیا امید کی جاسکتی ہے اور کتنی مرتبہ فلک بوس عمارت زیریز میں ہوتے ہوئے دیکھی گئی ہے، جب تک ٹھوس مخت نہیں ہوگی، زندگی کے دھارے کو اپنے ہاتھ میں نہیں لیا جائے گا، سماج کے رخ کو بد لئے کی کوشش نہیں کی جائے گی، اور باہر کالا واجب تک دور نہیں کیا جائے گا اور مقاصد کے ساتھ وسائل و اسباب پر بھی جب تک توجہ نہیں دی جائے گی اور ان کے رخ کو بھی درست نہیں کیا جائے گا، اس وقت تک حالات میں تبدیلی لانا آسان نظر نہیں آتا ہے۔

اس وقت بڑا مسئلہ تعلیم کا ہے، قوموں کے عروج و زوال میں اس کی سب سے زیادہ اہمیت رہی ہے، اس کا نظام درست کرنے کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے ٹھوس، مضبوط اور وسیع مخت کرنے کی ضرورت ہے اور ہر طرح کے ذاتی، جماعتی اور سیاسی مفادات سے بلند ہو کر اس میں لگنے کی ضرورت ہے، اور اس کے لیے ذہن سازی کی ضرورت ہے، اخلاق کی بلندی اس کی شاہکلیدی ہے، اس سے راستے کھلتے ہیں اور ترقی کی راہیں ہوار ہوتی ہیں۔

دنیا کی موجودہ صورت حال میں اور ملکی حالات کے تناظر میں یہ ہم مسلمانوں کی بڑی ذمہ داری ہے، اگر ہم نے اس کو محسوس کیا اور اس کے لیے قدم آگے بڑھایا تو کامیابی ہمارے قدم چوئے گی، ورنہ صرف فعروں سے نہ کچھ ہوا ہے، نہ آئندہ کچھ ہونے والا ہے۔

سیاسی مہرے بدلتے رہیں گے، لوگ آتے جاتے رہیں گے، مسلمان اگر اسی میں الجھ کر رہ گئے تو ان کی حیثیت سیاسی مہروں سے زیادہ نہیں ہوگی، ان کے اوپر جو ذمہ داری ہے وہ اس سے سوا ہے، ان کو اندر تبدیلی پیدا کرنی ہے، شعور بیدار کرنا ہے، احساس زیاد پیدا کرنا ہے اور سود و زیاد کافر قسم سمجھانا ہے، امت کو فکر و عمل سے آرائستہ کرنا ہے، اور اس کو ترقی کے راستے پر ڈالنا ہے، جب بنیاد درست ہوگی تو آگے بلند سے بلند عمارت کا تعمیر کر لینا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔

## فکر آنحضرت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسني ندوی مدظلہ

(اقترَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ) (لوگوں سے محاسبہ کرنے کا وقت قریب آگیا ہے لیکن وہ غفلت کی حالت میں بے تو جہی کر رہے ہیں) (الأنبياء: ۱)

اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ لوگوں کے حساب و کتاب کا وقت قریب آ رہا ہے، یعنی وہ وقت قریب آ رہا ہے جس میں ان کے اعمال کا جائزہ لیا جائے گا، لیکن عجیب بات ہے کہ لوگ غفلت کی حالت میں ہیں، ان کو کوئی پرواہ نہیں کہ اس زندگی کے بعد کیا ہونے والا ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ پیغام حق کو سننے سے اعراض کر رہے ہیں، بے تو جہی بر تر رہے ہیں۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس آیت میں پوری طرح انسانی زندگی کو گھیر لیا گیا ہے، یہ بتایا گیا ہے کہ صرف ہماری یہی دنیوی زندگی اصل نہیں ہے، بلکہ واقعہ ہے کہ یہ تو زندگیوں میں سے ایک زندگی ہے، اللہ نے دوزندگیاں رکھی ہیں، ایک اصل زندگی ہے جو حضرت آدم علیہ السلام کو شروع میں ملی تھی، اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ زندگی ہمیشہ کے لیے بنائی ہے، وہ کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے، لیکن اس کے ساتھ یہ معاملہ پیش آیا کہ اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو مکلف بنایا کہ پیدا کیا تھا، وہ اور ان کی آل واولاد سب مکلف ہے، مکلف کا مطلب ہے کہ جس پر کسی کام کو انجام دینے کی ذمہ داری ڈالی گئی ہو اور اس کے اندر اس کو اختیار دیا گیا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار مخلوقات ہیں، فرشتوں ہی کی اتنی زیادہ تعداد ہے کہ ان کو کوئی شمار نہیں کر سکتا، اللہ تعالیٰ نے مختلف نوعیت کے فرشتے رکھے ہیں، اللہ ان کے ذریعہ کام لیتا ہے، یہ پورا نظام اللہ فرشتوں کے ذریعہ چلا رہا ہے، واضح رہے کہ اللہ کو ایسی قدرت حاصل ہے کہ وہ صرف اپنے حکم سے چلا سکتا ہے، وہ کہہ کہ ”ہوجا“ تو کام ہوجائے، اللہ یہ کر سکتا تھا کہ انسان کو کہے ”ہوجا“ تو انسان ایک دم سے نکل کر سامنے آ جاتا، اس میں کوئی ترتیب نہ ہوتی، لیکن

اللہ تعالیٰ نے دونوں طرح کا نظام رکھا ہے، بہت سی چیزیں ہیں جو اللہ ملک اپنے حکم سے کرتا ہے، انسانوں کے نزدیک حکم کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی سے کچھ کہا جائے اور وہ اس کام کو کرے، کہا جائے کہ تم یہ کام کرو، تم یہ کر لاؤ، گویا کسی کو حکم دیا گیا، اور اس نے کام کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کا یہ مطلب نہیں ہے، یہ تو برابر والے یا اپنے سے ملتے جلتے کے ساتھ کیا جاتا ہے کہ اس سے کہا جائے کہ یہ کام کرو، پھر اس سے امید کی جاتی ہے کہ وہ کرے گا یا نہیں کرے گا، واضح رہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ مسئلہ نہیں ہے، اگر اللہ تعالیٰ یہ کرتا کہ سارے انسان نیک ہو جائیں تو نیک ہو جاتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی نے سب کو بنایا ہے، سب کو پیدا کیا ہے، جب اس دنیا کا قانون یہ ہے کہ انسان کی اپنی بنائی ہوئی چیز کو انسان جیسا چاہے موڑ دے، جو چیز ہم نے خود بنائی ہے، اس کو ہم توڑ دیں یا موڑ دیں، یہ ہمارے اختیار میں ہے، چاہے اس کو ہم ختم کر دیں، بالکل پیس کر رکھ دیں، یا باقی رکھیں، تو خداوند کریم جس کے قبضہ قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں، یہ بات اس سے کیسے مستبعد ہو سکتی ہے۔

اسی لیے یہ بات اچھی طرح ذہن نشیں رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات میں جو بھی چیز پیدا کی وہ اللہ کے حکم کے تابع ہے، خود اس میں کوئی صلاحیت نہیں ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی و حکم پر چلتی ہے، سمجھانے کے لیے اس کی ایک مثال دی جاسکتی ہے کہ انسان اس دنیا میں خود اپنے ہاتھ سے کتنی چیزیں بناتا ہے، لیکن جو چیزیں وہ بناتا ہے وہ خود سے کچھ نہیں کر سکتیں، اگر انسان کے ہاتھ کا بنا یا ہوا پنکھا چل رہا ہے، تو وہ اس لیے چل رہا ہے کہ انسان نے اس کو آن کر دیا، اب وہ خود سے نہیں رکے گا، یا خود اپنی طرف سے کوئی گڑ بڑی نہیں کرے گا، البتہ میکنکل طور پر اس میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے وہ الگ بات ہے، لیکن خود اس کو ارادہ کا حق نہیں، کیونکہ اس میں ارادہ و خواہش نہیں ہے، اسی طرح چچپے ہے، وہ خود سے آپ کو کھانا نہیں کھلانے گا، البتہ جب آپ اس کا استعمال کریں گے تو استعمال ہو گا، لیکن وہ خود اپنی مرضی سے کام نہیں کر سکتا، معلوم ہوا جو بھی چیز کسی کی بنائی ہوئی ہے تو وہ اس کی مرضی کے خلاف نہیں چلتی، اس دنیا میں رات دن ہم یہی دیکھتے ہیں کہ جو مصنوعات بنائی جاتی ہیں، وہ خود سے کچھ نہیں کر سکتیں، ہم انسانوں نے ان کو جس مقصد

ہمارے پاس واپس نہیں آؤ گے)

یعنی اس دنیا میں تم ہماری یاد سے غافل ہو کر اس طرح زندگی گذار رہے ہو کہ جو چاہتے ہو کرتے ہو، کیا تم کو اس بات کا خیال نہیں کہ ہم نے تمہیں کن گن چیزوں سے منع کیا ہے، تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو ہم نے ایک کام کرنے سے منع کیا تھا، ان سے غلطی ہوئی تو تم بھول گئے کہ ان کو کیسی سزا ملی تھی، ان کو جنت سے نکلنا پڑا، اس دنیا میں آنا پڑا، لیکن تم ہو کہ سمجھتے نہیں اور جو چاہتے ہو کرتے ہو، جب کہ تم کو بتایا جا چکا کہ یہ براہے اور یہا چھاہے، یہ نہ کرو اور یہ کرو، تب تمہارے لیے خیر ہے، لیکن اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو پھر یاد رکھو کہ جنت میں واپس نہیں آسکتے۔

یہ زندگی ایک عبوری اور وقتی دور ہے، حضور ﷺ نے فرمایا: میری مثال ایسی ہی ہے کہ کوئی مسافر (سوار) جا رہا ہو، راستہ میں کسی درخت کے نیچے اس نے ساپے لے لیا، آرام کر لیا، پھر چھوڑ کر چلا گیا۔ اس حدیث میں آپ ﷺ کا پی مثال دینے سے مراد یہ ہے کہ انسانوں کی مثال ایسی ہے کہ ہمیں سفر پر جارہے ہیں، اور راستے میں رکنے کا تقاضا ہوا، دو پھر کا وقت ہے، قیلول کا وقت ہے، گرمی بہت ہے، تو ایک درخت کے نیچے گھنٹے دو گھنٹے کے لیے ٹھہر گئے، ظاہر بات ہے کہ وہاں اس درخت کے نیچے چند گھنٹے آرام کی خاطر ہم اپنا مکان نہیں بنائیں گے، یا ہم وہاں اپنا نرم بستر نہیں بچائیں گے، بلکہ وہاں کسی بھی طرح پڑ رہیں گے، اس لیے کہ ہم کو آگے جانا ہے، یہاں نہیں رہنا ہے، گویا ایک مومن کے لیے آپ نے یہ بتایا کہ مومن دنیا کو یہ نہ سمجھے کہ یہاں ہم ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے لیے آئے ہیں، یوں بھی ہر انسان خود اپنی آنکھوں سے روزانہ دیکھتا ہے کہ یہاں کوئی ہمیشہ نہیں رہتا، ایک مقررہ مدت کے بعد یہاں سے اس کو جانا پڑتا ہے، اس کے رہنے کا کتنا ہی بھی چاہے مگر وہ نہیں رہ سکتا، تو اس کو سمجھنا چاہیے کہ جب ہمیں یہاں رہنا نہیں ہے، ہمیں تو آگے جانا ہے، ہمارا گھر آگے ہے تو پھر یہاں تماشے کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ بس کچھ دیر آرام کرو، اپنی ضرورت پوری کرو، پھر آگے چلو، آگے کی فکر کرنا چاہیے، جہاں زیادہ مدت رہنا ہے، مثلاً: دوسرا جگہ برسوں رہنا ہے، راستے میں صرف دو گھنٹے رہنا ہے، تو کیا کوئی یہ پسند کرے گا کہ وہ انہیں دو گھنٹے میں تمام عیش کر لے یا اس کے بعد جہاں غیر محدود مدت تک رہنا ہے، وہاں کی فکر کرے گا۔

کے لیے بنا یا ہے، اس مقصد میں بھی وہ ہمارے ہی کہنے اور کرنے سے چلتی ہیں، ان کو خود سے چلنے کا اختیار حاصل نہیں، اسی طرح یہ سارا عالم اور یہ ساری مخلوقات جو اللہ نے بنائی ہیں، اس میں اسی کی مرضی چلے گی، وہ ان کو جس طرح چاہے رکھے، جس طرح چاہے کرے، یہ بالکل تابع ہیں، جو اللہ چاہتا ہے وہی کرتی ہیں۔

لیکن اللہ تعالیٰ نے دو مخلوقات جو ہمارے علم میں ہیں: جنت اور انسان، ان کو الگ رکھا ہے، ان کو دوسرے طریقہ سے بنا یا ہے، ان دونوں کو ایک حد تک اختیار بھی دیا ہے، البتہ پورا اختیار نہیں ہے، ایسا نہیں کہ جو چاہیں کریں، بلکہ ایک محدود دائرہ میں جو چاہیں کرے، مثلاً: ایک احاطہ کے اندر کسی بڑے مکان میں کسی کو ٹھہر ادا یا جائے، اور کہا جائے کہ تم اس مکان میں جہاں چاہو جاؤ، جو چاہو کرو، لیکن مکان کے باہر تم نہیں جاسکتے، جس طرح یہ اختیار محدود ہوا، اسی طرح انسان کو بھی اللہ نے جو اختیار دیا ہے، وہ محدود اختیار ہے، یہ بتا دیا گیا ہے کہ وہ کیا کیا کر سکتا ہے اور کیا کیا نہیں کر سکتا، سارا نظام انسان کے اختیار میں نہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ایک عمل کر دیا، چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ جنت اس کی جگہ نہیں ہے، ایسا نہیں ہے کہ یہاں اپنی مرضی سے تم کام کرو، جتنا اختیار دیا گیا ہے، اتنا ہی تمہیں کرنا ہے، اور تم سے جو یہ غلطی ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری اولاد بھی غلطی کر سکتی ہے، یعنی ہمارے حکم کے خلاف کر سکتی ہے، اس لیے تم کو زمین پر اتارا جاتا ہے، لہذا فرمایا گیا کہ زمین پر اتر جاؤ، اب ہم یہ دیکھیں گے کہ تم ہماری اطاعت کرتے ہو یا اپنی مرضی چلاتے ہو، ایک حد تک تمہیں اختیار دیا گیا ہے، اور یہ ہدایات بھی دی گئی ہیں کہ تمہیں اختیار تو ہے لیکن اگر تم غلط عمل نہ کرو گے تو ہم اس کا تمہیں اچھا بدلہ دیں گے، اس کا بہترین عوض دیں گے، تمہاری اس قربانی کا، تم تم کو فائدہ دیں گے، اور اگر تم نے اس کے خلاف کیا تو پھر ہم سزا بھی دیں گے، ہم نے تمہیں تفریغ کے لیے دنیا میں ہر گز نہیں بھیجا، ارشادِ الہی ہے:

﴿فَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبْشَا وَأَنْكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ﴾ (ال المؤمنون: ۱۱۵) (کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم نے تمہیں یوں بے کار پیدا کر رکھا ہے، اور تم اس دنیا کے بعد

اختیار کر لے تو اللہ کی نظر میں محبوب بن جائے گا، اسی طرح یہ بھی ہے کہ آپ کو بھی اسی وقت کھانے کی ضرورت ہے، جس وقت دوسرے شخص کو ہے، ایسے موقع پر آپ نے دوسرے کو ترجیح دی کہ آپ دستِ خوان پر پہلے بیٹھ جائیے، ذرا سی دیر میں مجھ پر کوئی فرق نہیں پڑ جاتا، تو آپ اپنے اس عمل سے اس کے محبوب بن جائیں گے، جس کی بنیاد پر وہ شخص بہر حال آپ کو اچھی نظر وں سے دیکھے گا کہ اس شخص نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا۔

خاص طور سے دو چیزیں ایسی ہیں جن میں ہر انسان کی ایثار و ہمدری کا اندازہ ہو جاتا ہے: ایک کھانا، اور دوسرے کھانے کے بعد فراغت، عموماً ان دونوں چیزوں میں ہر شخص کو عجلت ہوتی ہے، جو انسان کی فطرت میں داخل ہے، ان دونوں کا تقاضا ہر شخص کو اپنے پورے شباب کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے، کھانے میں دو باقی ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ آدمی پہلے کھانا چاہتا ہے، دوسرے یہ کہ جب وہ دستِ خوان پر بیٹھ جاتا ہے تو جو اچھی چیزیں ہیں وہ اپنے لیے سمیٹ لینا چاہتا ہے، یہ بات تقریباً سو فیصد لوگوں میں پائی جاتی ہے، اس سے کوئی شخص خالی نہیں، ہاں اب اگر کسی کے اندر ایثار ہے تو وہ اپنے بھائی کے لیے اچھی چیز پھوڑ دے گا، اس کو پہلے بٹھائے گا، اسی طرح معاملہ فراغت کا بھی ہے، یعنی استجاء کا کہ آپ کو بھی ضرورت ہے اور آپ کے سامنے والے شخص کو بھی، اس میں جو شخص اپنے آپ کو روک سکتا ہے، اس کو چاہیے کہ اپنے بھائی کو ترجیح دینے کی کوشش کرے، ایثار سے کام لے، کیونکہ آپ کے رک جانے سے دوسرے کو راحت پہنچے گی، حقیقت یہ ہے کہ انسان کو سب سے زیادہ راحت اسی موقع پر کسی کے حق میں ایثار کا جذبہ ظاہر کرنے سے ہوتی ہے، بعض مرتبہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو پریشان حال اور بیمار ہوتے ہیں، ان سے پریشان نہیں رکتا، یا ان کو استجوا کا تقاضا اتنی زور سے ہوتا ہے کہ وہ خود کو روک نہیں سکتے، اب اگر آپ نے ترجیح نہیں دی، اور آپ اپنے آپ کو روکنے پر قدرت رکھنے کے باوجود صرف اس وجہ سے ایسے شخص کو نظر انداز کر گئے کہ میں پہلے چلا جاؤں، اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ اس بیمار شخص کا پاجامہ خراب ہو جائے گا، اور اس کا مطلب ہو گا کہ ایک معمولی چیز کو لحوظہ نہ رکھنے کے نتیجے میں اس شخص کی تکلیف کا ذریعہ آپ بن گئے، حالانکہ آپ اس کی راحت کا ذریعہ بن سکتے تھے، اس لیے

## حدیث ایثار و ہمدردی

مولانا سید عبداللہ حسني ندوی

ایثار کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دو آدمی ہوں جن کو کسی چیز کی برابر برابر ضرورت ہے، دونوں ایک ہی چیز چاہتے ہوں، ایسے میں ان میں سے ایک دوسرے کے لیے اس کو پیش کرے اور دوسرا پہلے کو پیش کرے، اس طرح یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے ایثار کرنے والے کہے جائیں گے، ایثار کے مقابلہ میں خود غرضی ہے، خود غرضی کی تعریف یہ ہے کہ انسان کے پیش نظر شخص اپنا مطلب ہو، اپنا فائدہ ہو، اپنی راحت ہو، اپنا آرام ہو۔

مواسات و غم خواری کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہے، آپ اس کی مدد کرتے ہیں، اور آپ کو کسی قسم کی کوئی پریشانی بھی لاحق نہیں ہو گی، تو آپ اس کا تعاون کریں، اس کی مدد کریں، اور راحت پہنچانے کی کوشش کرے، اس کا مطلب ہو گا کہ گویا آپ نے اس کا عمم دور کر دیا، رنج کافور کر دیا، پریشانی ہلکی کر دی، اور اس کو آپ نے اپنے ایک معمولی عمل سے راحت عطا کی، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایسا کام ہے جو اللہ کو بہت پسند آتا ہے، کیونکہ سب سے اعلیٰ ترین انسان وہ ہے جو اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ نفع کا برداشت کرے، نفع پہنچانے کی کوشش کرے، حدیث نبوی ﷺ ہے:

(سب سے بہتر شخص وہ ہے جو لوگوں کو نفع پہنچائے)

معلوم ہوا سب سے بہتر شخص وہ ہے جو نافع بن کر رہے، حقیقت یہ ہے کہ جو شخص ایثار و غم خواری والا ہوتا ہے وہ نافع بن کرہی زندہ رہتا ہے، لیکن جو خود غرض ہوتا ہے، راحت طلب ہوتا ہے، ہر چیز میں اس کے پیش نظر شخص اپنا نفس ہوتا ہے، دراصل وہ خود ہی کو نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے، عموماً آدمی یہی چاہتا ہے کہ ہر شخص کی نظر میں محبوب بن جائے، لیکن اس کے لیے کچھ آداب ہیں جن کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے، سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ انسان جو کچھ لوگوں کے ہاتھ میں ہے اس سے نظریں پھیر لے، کسی کی چیز پر لائق کی نظر نہ ڈالے، تو وہ سب کا محبوب بن جائے گا، اور اگر دنیا سے بے رغبتی

کے پاس زیادہ روشنی ہوتی ہے، تو ان کو چھوٹی چیزیں بھی نظر آ جاتی ہیں، اور جو چھوٹے لوگ ہوتے ہیں ان کا بلب فیوز ہوتا ہے، ان کے پاس معمولی درجہ کی روشنی ہوتی ہے، اس لیے ان کو بڑی چیزیں نظر نہیں آتیں، لہذا جو بڑا بننا چاہے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ چھوٹی چیزیں کا اہتمام کرے، تو وہ بڑا پن پائے گا، اور اگر بڑی چیزیں کا اہتمام نہیں کرے گا تو بڑا بننا مشکل ہو گا، کیونکہ چھوٹے لوگ بڑی چیزیں کا بھی اہتمام نہیں کرتے اور جو بڑے لوگ ہوتے ہیں وہ چھوٹی چیزیں کا بھی اہتمام کرتے ہیں، ایثار میں یہی بنیادی بات ہے کہ اس سلسلہ میں یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ کھانے کا ایک لقمه ہی تو ہے، اس کو ایثار کرنے سے کیا فائدہ؟ یاد رہے بظاہر یہ ایک لقمه ہے، مگر یہ لقمه فرشتہ دیکھ رہا ہے کہ آپ کس نیت سے اس کو اپنے منہ میں رکھ رہے ہیں، اس وقت آپ کی نیت یہ ہوتی ہے کہ میرے اپنے بھائی کو نہ ملنے پائے، جلدی سے میں اپنے منہ میں ڈال لوں، چاہے پیٹ میں جا کر یہ لقمه نقصان ہی کیوں نہ کرے، اسی لیے جب آدمی اجتماعی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے تو زیادہ کھالیتا ہے، اکیلا کھائے تو کم کھائے گا، اس لیے کہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہاں سارا کھانا میرا ہے میں اطمینان سے کھاؤ گا، لیکن جب اجتماعی دسترخوان پر بیٹھ کر کھاتا ہے تو اس کو یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں یہ مجھ سے زیادہ نہ کھائے، اس لیے جلدی کھائے کر آدمی کھائے تو ایسی روحاںی ترقی دسترخوان کے آداب کا لحاظ رکھ کر آدمی کھائے تو ایسی روحاںی ترقی ہوتی ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے، حضرت مجدد صاحب نے یہ بات یوں ہی نہیں لکھی کہ اس سے جتنی ترقی ہوتی ہے وہ کم کسی چیز سے ہوتی ہے، اس لیے اس کی مشق بھی ہمارے اجتماعی ماحول میں ہونی چاہیے کہ ہم ہر چیز میں ایک دوسرے کو ترجیح دیں، اس سے دوسرے کو راحت مل جائے گی، ورنہ ذرا سی دومنٹ کی دیر ہونے کی وجہ سے ایک کا دل میلا ہو جائے گا، کسی کا دل ٹوٹ گیا، میلا ہو گیا، کسی کو پریشانی ہو گئی، کوئی تکلیف میں بنتا ہو گیا، اور آپ کو ذرا سی راحت ملی، اس سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ روحاںی اعتبار سے تنزل ضرور ہو گا، اسی لیے روحاںیت کو ترقی دینے میں ان چیزیں کا خاص خیال رکھنا چاہیے یعنی زبان بھی میٹھی ہونی چاہیے، کڑوی زبان نہ ہو، ہر شخص کے لیے اچھی زبان استعمال کرے، اگر کوئی بات کہنا ہے تو اچھے انداز میں کہے، یہ سب ایثار میں داخل ہے، اور یہ ایک غیر معمولی چیز ہے۔

اس سلسلہ میں بھی ایثار سے کام لینا ضروری ہے، کسی بھی اجتماعی ماحول میں یہ سب باقی جلد سمجھ میں آ جاتی ہیں، اس پر عمل کرنا بھی آسان ہوتا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتبات میں لکھا ہے کہ کھانے میں ایثار کرنے سے جتنی روحاںی ترقی ہوتی ہے، وہ کم چیزیں سے ہوتی ہے، کیونکہ دسترخوان پر نقد معاملہ ہوتا ہے، سامنے فقط دو بوئیاں رکھی ہیں، جی چاہتا ہے کہ دونوں ہمارے ہاتھ میں آ جائیں، یہی وجہ ہے کہ بعض لوگ ایسا کھاتے ہیں کہ پوری بھوٹی منہ میں رکھ جائے، پھر دوسرا بھوٹی میں اپنے بھائی کو شریک کر لیں، دراصل ایسے موقع پر اپنے ہاتھ کو روکنا اور اپنے بھائی کو ترجیح دینا مشکل کام ہے، لیکن یہ بھی اصول خداوندی ہے کہ مشکل کام پر ہی نوازا جاتا ہے، صحابہ کرام کا واقعہ روایات میں آتا ہے کہ میدان جنگ میں ایک زخمی پڑا ہوا ہے، ایک شخص اپنے پیاس سے زخمی پچا کو پانی پلانے آتا ہے، تو دوسرے شخص کی پیاس کا علم ہو جاتا ہے، یہ صاحب ایسی حالت میں اپنی پیاس پر ان کو ترجیح دیتے ہیں، حکم کرتے ہیں کہ پہلے پانی ان کو دو، صحابہ کا ایسے عالم میں ایثار کا یہ سلسلہ ایک کے بعد دوسرے اور تیسرا تک ایسا طویل ہوتا ہے کہ ہر شخص بغیر پانی نوش کئے ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے، اللہ اکبر!! یہی وہ ایثار ہے جس کا اسلام میں مطالبہ کیا گیا ہے، خود غرضی کی اس دنیا میں اگر ہم یہ کوشش کریں کہ ہر شخص کو ہماری ذات سے فائدہ پہنچے، ہمارے ذریعہ سے ہر ایک کو راحت و نفع پہنچے، تو ایثار کا ماحول قائم ہو جائے، ایک دوسرے سے محبت پیدا ہو جائے، ورنہ ہوتا یہ ہے کہ ہر آدمی چاہتا ہے کہ سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مجھے مل جائے، اس کی خاطر بعض دفعہ دوسرے کو دھکا بھی دے دیتا ہے، یہ نہیں دیکھتا کہ بغلوں میں کون ہے، بوڑھا ہے، بچہ ہے، جوان ہے، جب کہ یہ عمل ایثار کے خلاف ہے۔

ایثار اور غم خواری بہت ہی انوکھی چیز ہے، اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے یہ بہت ہی مؤثر و اکسیر سخن ہے، سخن کہیا ہے، جو اس کو اختیار کرے گا، اس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں، آج تک ہم لوگ انہیں چھوٹی چھوٹی چیزیں میں پھنس جاتے ہیں، جو ہمارے لیے روحاںی ترقی کے موائع بن جاتی ہیں، بڑے لوگوں کی یہی بات ہے کہ وہ ان تمام چھوٹی چیزیں کو بھی دیکھتے ہیں، جو روحاںیت پر اثر انداز ہونے والی ہوں، بات یہ ہوتی ہے کہ جو بڑے لوگ ہوتے ہیں ان

میں مکمل اشتراک نہیں تھا، لیکن کسی نہ کسی درجہ میں اشتراک تھا، اور یہ واقعہ ہے کہ جب آدمی کوئی مشترک بات بیان کرتا ہے، کوئی ایسی بات کہتا ہے جس کو مخاطب بھی تشیم کرتا ہوا اور مانتا ہو تو اس کے لیے انگلی باتوں کا سنسنا آسان ہو جاتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ کہنے والا جو کہہ رہا ہے وہ کوئی الگ بات نہیں ہے، بلکہ کہنے والا اپنا ہی آدمی ہے، جب ایک مرتبہ اپنا سیت کا کسی نہ کسی درجہ میں احساس ہو جائے تو پھر اس کے آگے جو دوسری باتیں کہی جاتی ہیں، وہ بالکل روایتی کی ٹوکری میں نہیں ڈالی جاتیں، بلکہ ان پر آدمی غور کرتا ہے کہ یہ شخص پہلے جو بات کہہ رہا تھا، لگ رہا تھا کہ وہ ہماری ہی بات کہہ رہا تھا، لگتا ہے کہ یہ اپنا ہی آدمی ہے، چنانچہ آگے کی باتوں کو سننے کے سلسلہ میں وہ سوچنے پر مجبور ہو گا کہ ہو سکتا ہے بہت سی ایسی باتیں ہوں جو ہمارے نظام سے بھی تعلق رکھتی ہوں، آدمی ان کو بالکل الگ نہیں سمجھتا، گویا یہ جو آیت بیان کی گئی، اس میں ایک طرف توحید کا مکمل بیان ہے، دوسری طرف دعوت کی حکمت بھی ہے، اس میں ”کلمہ سواء“ کا تذکرہ کیا گیا ہے، اگرچہ وہ اشتراک ناقص تھا، ظاہر ہے کہ ان کے اندر ناقص توحید تھی، اور نبی ﷺ کے ذریعہ جس توحید کی دعوت دی جا رہی ہے وہ توحید کامل ہے، اسی لیے اس کو مکمال کے ساتھ ہی بیان کیا جا رہا ہے کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، لہذا صرف اسی کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کوششی کریں۔

اس آیت میں اللہ کو مانتے کی جو بات کہی جا رہی ہے، اس کو اہل کتاب بھی مانتے تھے، لیکن معاملہ یہ تھا کہ وہ اللہ کے ساتھ دوسروں کو پوچھتے تھے، دوسروں کی بندگی کرتے تھے، یہ دو یوں کا حال یہ تھا کہ حضرت عزیز علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، عیسائیوں کا حال یہ تھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے، قرآن مجید کی بعض آیتوں میں تو بہت طاقت کے ساتھ عیسائیوں کا رد کیا گیا ہے، اس حدتک وہ شرک میں بیٹلا ہو گئے تھے، گویا وہ ان کا ایک طرح کا گورکھ دھندا تھا، وہ کہتے تھے ”تین کا ایک ہے“ اور ”ایک کے تین“ ہیں، گویا ایک طرف وہ یہ چاہتے تھے کہ تو حید کا دامن بھی نہ چھوٹے، دوسری طرف چاہتے تھے کہ ان کے شرکیہ عقائد، اعمال بھی باقی رہیں، اور یہ دونوں باتیں ممکن نہ تھا کہ ایک ساتھ جمع ہو جائیں، کیونکہ ان میں بالکل ضد تھی، لیکن انہوں نے ان کو فاسقیناہ انداز سے

## توحید کیا ہے؟

بلال عبدالجی حسني ندوی

### نقاطہ دعوت:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الِكِتَابِ... مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۶۴) (آپ کہہ دیجیے کہ اے اہل کتاب ایسی بات کی طرف آجائے جو ہم میں تم میں برابر ہے (وہ یہ) کہ ہم صرف اللہ کی بندگی کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شریک نہ کریں اور ہم میں سے کوئی کسی کو اللہ کے سوارب نہ بنائے پھر اگر وہ نہ مانیں تو تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہنا کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں)

اہل کتاب کے اندر کسی حد تک توحید تھی، وہ اللہ کو مانتے تھے، اسی کو معبد قرار دیتے تھے، لیکن اصل مسئلہ یہ تھا کہ انہوں نے خدا کے ساتھ دوسری چیزوں کو شریک کر لیا تھا، اہل کتاب میں ”توحید“ ایک ایسی صفت تھی جو گویا کہ ان میں اور مسلمانوں میں ایک طرح سے مشترک تھی، لیکن ان کے اندر مکمل توحید نہ تھی، بلکہ ناقص تھی، ان کے اندر تو حید کا ایک حصہ پایا جاتا تھا، لیکن بہر حال توحید کا ان کو دعویٰ تھا، اور کسی نہ کسی درجہ میں ان کے اندر یہ چیز موجود تھی، اس حیثیت سے کہ وہ ایک اللہ کو مانتے تھے، لیکن اس کے ساتھ دوسری کوششی کرتے تھے۔

اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو دعوت کا ایک طریقہ اور اس کی حکمت بتائی گئی ہے، آپ سے فرمایا جا رہا ہے کہ آپ اعلان فرمادیجئے اور یہ کہہ دیجئے کہ اے اہل کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آجائے جو ہم تم میں مشترک یعنی برابر ہے، وہ یہ ہے کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، اس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کریں، اور ہم میں سے بعض بعض کو اللہ کو چھوڑ کر اپنارب نہ بنائے، اس کے بعد فرمایا گیا کہ اب بھی اگر وہ نہیں مانتے تو آپ کہہ دیجئے کہ تم گواہ رہنا کہ ہم تو جھکے ہوئے ہیں، یعنی ہم نے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیا۔ اس آیت میں دعوت کی بڑی حکمت بھی بیان کی گئی ہے، جس کو ”کلمہ سواء“ قرار دیا گیا ہے، وہ ایک مشترک بات ہے، گرچہ اس

پیدا ہو گیا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اسی لیے یہ بات کہتے تھے کہ آج حال یہ ہے کہ مسلمانوں کے قبرستانوں میں خدا جانے کتنے غیر مسلم فن ہورہے ہیں، اس لیے کہ ان کا عقیدہ خالص مشرکانہ عقیدہ ہے، کہیں پران میں الحاد یعنی انکار خدا پایا جا رہا ہے، تو ایک طرف نام مسلمانوں کے ہیں، دنیا میں ان کو لوگ مسلمان سمجھ رہے ہیں، اور حکومت کی لست میں بھی مسلمان ہیں، لیکن اللہ کے یہاں وہ کیا ہیں اس کا کوئی بھروسہ نہیں، اس لیے کہ مسلمان نام سے نہیں ہوتا، مسلمان جب ہو گا جب وہ اپنے عقیدہ کو اس کے بالکل مطابق کر لے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا بتایا ہوا عقیدہ ہے، آپ ﷺ نے جس کی پوری طرح وضاحت فرمائی ہے، آپ ﷺ کا حال یہ تھا کہ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کو اس درجہ غیرت تھی کہ برداشت نہیں ہوتا تھا، مشہور قصہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی خطیب نے اپنی تقریں میں کہا: ”وَمَنْ يَطِعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى“ (جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہو اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا)

آپ ﷺ نے فرمایا: تم بدترین خطیب ہو، کہو کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا۔ (صحیح مسلم)  
غور کی بات ہے کہ جو بات کہی گئی وہ بالکل ٹھیک تھی کہ جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات مانے گا، آپ کی اطاعت کرے گا، وہ صحیح راستہ پر چلا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا، لیکن آپ ﷺ نے فرمایا: تم بدترین خطیب ہو، آپ نے یہ اس لیے فرمایا کہ اس نے اللہ کے لیے بھی اور اس کے رسول ﷺ کے لیے بھی ایک ہی ضمیر کا استعمال کیا تھا، گویا اس سے ایک طرح کا یہ تشابہ ہو رہا ہے کہ وہ دونوں یعنی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ ایک ہی درجہ کے ہیں، اس کو یوں کہنا چاہیے تھا:

”وَمَنْ يَطِعُ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَعْصِهِمَا فَقَدْ غَوَى“ (اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی وہ کامیاب ہو گا اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی وہ بھٹک گیا)

اس سے بات صاف ہوتی کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہو گا اور جو اللہ اور اس کے رسول کی

جوڑا تھا، وہ کہتے تھے کہ اصل ایک ہے لیکن ایک کا تین ہے، اور تین کا وہ ایک ہے، تو یہ جوان کا شرک کا عقیدہ تھا، قرآن مجید میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسری جگہوں پر اس کی قلعی کھول دی۔

غرض یہ کہ ان کو توحید کا دعویٰ تھا، وہ کسی نہ کسی درجہ میں اس بات کو مانتے تھے کہ اللہ کی ایک بڑی طاقت ہے، لیکن یہ بھی تصور رکھتے تھے کہ پھر اس نے اپنا بیٹا بنالیا ہے، ظاہر ہے کہ جب کسی کا کوئی بیٹا ہوتا ہے تو وہ نازخرے بھی کرتا ہے، وہی تصور ان کا بھی تھا کہ حضرت عیسیٰ جب خدا کے بیٹے ہیں تو ان کو یہ حق ہے کہ وہ منوا بھی لیں گے، جب کوئی بات چاہیں گے تو ان کی چلے گی، وہ جس طرح چاہیں گے کروالیں گے، پھر اس میں بعض فرقوں کے اندر اس قدر تجاوز ہو گیا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ اب حکومت حضرت عیسیٰ ہی کی ہے، وہی دنیا چلا رہے ہیں، گویا اللہ نے جو (معاذ اللہ) باپ تھا، اس نے حکومت بیٹے کو دے دی، جیسا کہ دنیا میں ہوتا ہے کہ جب باپ کمزور ہو جاتا ہے تو بیٹے کو ساری چیزیں سپرد کر دیتا ہے، یہی تصور عیسائیوں کا حضرت عیسیٰ کے متعلق تھا۔

### مشرکانہ تصویرات:

افسوں کی بات ہے کہ آج یہی تصور بہت سے مسلمانوں کے اندر بھی آگیا، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ محمد رسول اللہ ﷺ گویا اللہ کے بیٹے ہیں، اگرچہ وہ اس بات کو زبان سے نہیں کہتے کہ آپ ﷺ خدا کے بیٹے ہیں، لیکن رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کا جو تصور ہے وہ اس حد تک ہے کہ گویا وہ آپ ﷺ کو خدائی میں شریک مانتے ہیں، اس طرح عقیدہ اس قدر بڑا گیا ہے کہ بعض مرتبہ ایسے لوگوں کو مسلمان کہنا مشکل ہے، اس لیے کہ یہ عقیدہ رکھنا کھلا شرک ہے کہ معاذ اللہ! اللہ تبارک و تعالیٰ نے ساری چیزیں آپ ﷺ کے حوالہ کر دیں، اب وہ خود فارغ ہو گیا، اب جو کرنا ہے وہ اللہ کے رسول ﷺ کر لیں گے، اس طرح کی باتیں ان کے اشعار میں بھی موجود ہیں کہ ہمیں اللہ سے مانگنے کی کیا ضرورت ہے، ہمیں جو لینا ہے وہ محمد ﷺ سے لے لیں گے، ظاہر ہے اس سے بڑا شرک کیا ہو گا کہ اپنی ضرورتوں کو اللہ کے بجائے حضرت محمد ﷺ کے سامنے رکھا جا رہا ہے، گویا آپ کو خدائی کا پوری طرح درجہ دیا جا رہا ہے، حیرت کی بات ہے کہ اس طرح کا شرک آج مسلمانوں کے اندر بھی

آپ ﷺ جو کچھ بھی فرمائے ہیں اس پر دھیان کیا جائے، اس پر عمل کیا جائے، اس پر حلنے کی کوشش کی جائے۔

آپ ﷺ یہ خطرہ تھا کہ آپ ﷺ کے بارے میں بھی امت کے اندر یہی غلوٹ پیدا ہو، اس لیے آپ نے صاف ارشاد فرمایا: دیکھو مجھے اس طرح آگئے نہ بڑھانا جیسا کہ نصاری نے عیسیٰ ابن مریم کے ساتھ کیا، ان کو انہوں نے خدا کا پیٹا بنا دیا۔ آگے فرمایا: بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، تو تم کہو کہ اللہ کے بندے ہیں اور اللہ کے رسول ہیں۔ (صحیح البخاری)

آپ ﷺ اس کی تاکید فرمائے ہیں، آپ کو شبہ تھا کہ جس طرح عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ کے ساتھ کیا، کہیں یا ملت حضرت اقدس ﷺ کے ساتھ وہی نہ کرے کہ آپ کو خدائی کا درجہ جب تک نہ دے دیا جائے اس وقت تک چین نہ آئے، افسوس کی بات ہے کہ آپ جس چیز کی دعوت لے کر آئے، آج اسی کے خلاف کیا جا رہا ہے، پھر یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ ہم نبی ﷺ کے ماننے والے ہیں، یہ گویا کہ آپ ﷺ سے بغاوت ہے، آپ کہتے ہیں کہ مجھے کہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس کار رسول ہوں، مگر ہم کہتے ہیں کہ نہیں، آپ نے تواضع میں یہ بات کہہ دی، آپ تو ہمارے رب ہیں، ہم نے مسجدوں میں لوگوں کو خود یہ جملہ کہتے سنا کہ

”نحن عباد محمد و اللہ رب محمد“ (ہم محمد ﷺ کے بندے ہیں اور محمد ﷺ کا رب اللہ ہے)

محمد ﷺ کے بندے کہا جا رہا ہے، گویا کہ بندگی میں اس کا رنگ پایا جا رہا ہے، یہ ایک طرح کا کھلا ہوا شرکیہ جملہ ہے، جو آج نمازوں کے بعد لوگ برس رعام بعض جگہوں پر کہتے ہیں، میں نے خود ایک مسجد میں نماز پڑھی، جب امام صاحب نے سلام پھیرا تو انہوں نے یہ جملہ کہا، ہم اسی وقت وہاں سے اٹھے اور چل دیئے کہ یہ تو کھلا ہوا شرکیہ جملہ ہے، آپ ﷺ کہتے ہیں کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کار رسول ہوں، کہو کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور اس کار رسول ہوں، اب تم کہہ رہے ہو کہ نہیں نہیں، ہم محمد ﷺ کے بندے ہیں، گویا یہ تقسیم کر لی کہ اللہ محمد ﷺ کا رب ہے اور محمد ﷺ کی محبت و عظمت کو جو یاد رہے یہ کھلا ہوا شرک ہے جو آج مسلمانوں میں پایا جا رہا ہے، اس پر بہت زیادہ توجہ کی ضرورت ہے۔ (جاری)

نافرمانی کرے گا وہ بھٹکے گا، اب یہاں پر دونوں کو الگ الگ بیان کیا گیا، لیکن اس نے بجائے یہ کہنے کے ”جو اللہ اور اس کے رسول کی ناfrمانی کرے گا“ یہ کہہ دیا کہ جوان دونوں کی ناfrمانی کرے گا، اس سے گویا دونوں کو ظاہراً ایک ہی درجہ میں رکھ دیا گیا جو عقیدہ توحید کے منافی ہے۔

آج ہم مسلمانوں کا حال یہ ہو گیا ہے کہ عام طور سے آپ مسجدوں میں جگہ جگہ دیکھتے، ”یا اللہ“ بھی لکھا ہے، اس کے ساتھ ”یا محمد“ بھی لکھا ہے، اس میں اگر اللہ کے رسول ﷺ کی تشریف لے آتے تو آپ کی غیرت بھڑکتی، آپ سخت ناپسند فرماتے کہ ایک ”عبد“ ہے اور ایک ”معبد“ ہے، دونوں میں بڑا فرق ہے، اگر مسلمان اس کو نہیں سمجھے گا تو آخر کون سمجھے گا، مسلمانوں کو توحید کا جو صاف سترہ عقیدہ دیا گیا ہے، مسلمان اس کے داعی ہیں، اس کے معلم ہیں، کوئی دوسرا ایسا نہیں ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس عقیدہ کو بہت مضبوط پکڑنے کی ضرورت ہے، سب سے زیادہ جو بگاڑ پیدا ہوا ہے وہ بھی ہوا ہے کہ شیطان نے گویا کہ ایک نشہ پلا دیا، اور نشہ پلا کر مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کی، نشہ یہ پلا یا کہ حضرت محمد ﷺ کے اتنے محبوب ہیں گویا کہ وہ خدائی میں شریک ہو گئے، اگر خدائی میں شریک نہ مانا جائے تو یہ تصور قائم کیا جا رہا ہے کہ گویا اللہ کے رسول ﷺ کی شانِ قدس میں گستاخی کی جاری ہے، تو ہیں کی جاری ہی ہے، جو لوگ صحیح عقیدہ رکھتے ہیں ان کے بارے میں کھل کر کہا جاتا ہے کہ یہ محمد ﷺ نہیں مانتے، آپ ﷺ کی عظمت نہیں کرتے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اصل عظمت رسول ﷺ نہیں کے دلوں میں ہے، اس لیے کہ یہ حضور اقدس ﷺ کی تعلیمات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں، آپ ﷺ کی پیروی جتنی مضبوطی کے ساتھ یہ کرتے ہیں، زبان سے کہنے والے تو صرف زبان سے کہتے ہیں، اگر کوئی چیز زبان کا چٹکارہ ہے تو اس کی کیا حقیقت ہے، آدمی زبان سے جو چاہے کہے، لیکن جو چیز دل کے اندر نہیں اتری، وہ بالکل بے حقیقت ہے، اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت و عظمت کو جو آدمی صرف زبان سے کہتا رہے، اس کا ذہن و راپیٹا رہے تو یہ محبت نہیں، جب تک کہ وہ دل کے اندر نہ اتر جائے، آدمی اس کو پوری طرح دماغ سے قبول نہ کر لے، اس کا تقاضا تو یہی تھا کہ

ہے کہ جو ذمہ داری انبیاء علیہم السلام کی تھی وہی ذمہ داری علماء دین کی بھی ہے، وہ بھی ہے کہ بندوں کو اللہ سے جوڑا جائے اور اللہ کے دین کو ہر سطح پر نافذ کیا جائے۔

مبارک ہیں وہ لوگ جوتار کی کے اس دور میں علم کی شمع روشن کئے ہوئے ہیں، جوشب و روز اس فکر میں گھل رہے ہیں کہ یہ چراغ بخنے نہ پائے، اس ایک چراغ سے سو چراغ جلیں، یہاں تک یہ سلسلہ بڑھے کہ کل عالم میں کوئی ایسی جگہ باقی نہ رہے جہاں علم کی روشنی نہ پہنچے، روشن خیالی کے اس دور میں اصل فقدان تو علم کی حقیقی روشنی ہی کا ہے، جب یہ مشعل روشن ہو گئی تو وہ شاہراہ بھی جگہ اٹھے گی جسے سوا اس سبیل کہا گیا ہے، جو سیدھے اللہ رب العزت تک پہنچتی ہے، جو حضرات اس مبارک کام کو کر رہے ہیں یہ حضرات اس کا حق رکھتے ہیں کہ ان کی بھرپور مدکی جائے، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور ممکن حد تک ان کا تعاون کیا جائے، نفسانگی کے اس دور میں قوم و ملت کی سچی خدمت کرنے والوں کی جتنی قدر کی جائے کم ہے۔

ہندوستان کے اس مشرکانہ ماحول میں جہاں برادران وطن سے متاثر ہو کر ہم بھی طرح طرح کے خرافات میں بیٹلا ہو چکے ہیں، اخلاقی گروٹ میں روز افزول ترقی ہے، خدا سے دوری بڑھتی جا رہی ہے، کیا صحیح دینی تعلیم کی ضرورت پہلے سے دو چند نہیں ہو گئی ہے؟ اگر ہے اور یقیناً ہے تو اس ضرورت کی تکمیل کے لیے آگے بڑھنا ہمارا دینی قومی اور ملی فریضہ نہیں ہے؟ ہر در در کھنے والا سوچے اور صحیح وقت پر قدم اٹھائے، وہ وقت آچکا ہے، اب دیر کرنا بالکل مناسب نہیں ہے، جگہ جگہ دینی مدارس و مکاتب کا جال بچھایا جائے، ہمارے اسلاف نے اس بنیادی ذریعہ سے بالخصوص ہندوستان میں دین کی حفاظت کی ہے، اور آج تک کوئی دوسرا ایسا طریقہ دریافت نہیں ہوا ہے جو اس سے زیادہ نافع، مفید اور موثر ہو، اگلی نسلوں تک دین کو بحفاظت منتقل کرنا ہمارا بنیادی فریضہ ہے، اس میں کوتا ہی کرنے کی صورت میں جو بھی انک متائف سامنے آسکتے ہیں، اس کے قصور ہی سے روح کا نپ اٹھتی ہے، یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ دین کی حفاظت میں ہماری حفاظت ضرر ہے، جب دین ہی محفوظ نہیں رہے گا تو پھر ہماری حفاظت کیونکر ممکن ہے، اللہ تعالیٰ ہم میں سے ہر ایک کو پوری سچائی کے ساتھ دین کی حفاظت کا کام انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین

## علمگی روشنی

عبدال سبحان ناخدا ندوی

وہ میدان علم ہا جہاں حضرت آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں پر برتری حاصل ہوئی، جس کے نتیجہ میں انسان تمام مخلوقات سے افضل قرار پایا اور مقرر ہیں بارگاہ الہی کے ذریعہ اسے سجدہ کروایا گیا، پھر خلیفۃ اللہ کے عظیم ترین لقب سے سرفراز کیا گیا، وہ علم ہی ہے جس کی تلقین سب سے زیادہ علم رکھنے والی ہستی کو یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو یوں کی گئی: ﴿وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾ (طہ: ۱۱۴) (اے محمد! ﷺ آپ کہاں کریں؟ اے میرے رب میرے علم میں اور اضافہ فرما) اسی علم نبوت کی بناء پر انسان کو انسانیت ملی، تہذیب و ثقاوت ملی، اچھی قدر میں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انسان کا تعلق اللہ جل شانہ سے قائم ہوا جو انسان کا عین مقصد حیات ہے، اس "علم صحیح" میں جتنی ترقی ہو گی، اللہ کی خشیت میں بھی اسی کے بقدر ترقی ہو گی، کلام الہی خود اس پر شاہد ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (الفاطر: ۲۸) (اللہ کے بندوں میں اللہ سے فی الواقع ڈرنے والے وہ لوگ ہیں جو علم رکھتے ہیں)

دوسری جگہ اہل علم یعنی حاملین کتاب کو مصلح کہا گیا ہے، یعنی اصلاح و درستگی کا سامان کرنے والے بھی حضرات ہیں: ﴿وَالَّذِينَ يُمَسْكُونَ بِالْكِتَابِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ﴾ (الأعراف: ۱۷۰) (جو لوگ کتاب الہی کو مضمبوطی سے تھامے رہتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، ایسے مصلحین کے اجر کو ہم ضائع نہیں کرتے) ایک آیت سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ علم اللہ کے فضل کا نتیجہ ہے، بلکہ وہ بجائے خود اللہ کا فضل عظیم ہے، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَمَكُمْ مَا لَمْ تَكُنُ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ عَظِيمًا﴾ (النساء: ۱۱۳) (اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت اتاری اور آپ کو وہ بات سکھلانی جو آپ کو معلوم نہیں تھی، بلاشبہ اللہ کا آپ پر عظیم الشان فضل ہے) احادیث میں علم کو انبیاء کی میراث قرار دیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ

اسی لیے اگر یہ خوف ہو کہ سری قراءت سے مقتدی اکتا جائیں گے تو جہری قراءت کرنے کی گنجائش ہے۔

جب سورج گر ہن ہو جائے تو عورتوں کو بھی نماز کسوف دوسری نمازوں ہی کی طرح گھر میں ادا کرنا چاہیے، اور مردوں ہی کی طرح پورے وقت کو نماز دعا اور استغفار میں لگانا چاہیے۔

(شامی: ۱/۶۲۳)

اگر سورج گر ہن عصر کے بعد یا زوال کے وقت ہو تو اس وقت یہ نمازوں پڑھی جائے گی، اس لیے کہ دوسری سنن اور نوافل کی طرح اس نماز کا اوقات مکروہہ میں پڑھنا مکروہ ہے، اس صورت میں بجائے نماز کے لوگ دعا و استغفار میں مشغول رہیں۔

(شامی: ۱/۶۲۲، ہندیہ: ۱/۱۵۳)

### نماز خسوف:

نماز خسوف اس نماز کو کہتے ہیں جو چاند گر ہن کے وقت پڑھی جاتی ہے، اس نماز میں جماعت مسنون نہیں ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ چاند گر ہن رات کو پیش آتا ہے، اور رات کے وقت مسجد یا کسی جگہ جمع ہونے میں دشواری ہو سکتی ہے، لوگ اپنے گھروں میں دو رکعت نماز پڑھیں اور دعا وغیرہ کریں۔

(ہندیہ: ۱/۱۵۳، شامی: ۱/۶۲۳)

چنانچہ حضرت نعمان ابن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: اہل جاہلیت کہتے تھے کہ سورج اور چاند گر ہن دنیا کے عظیم انسانوں میں سے کسی کی موت سے واقع ہوتا ہے، جب کہ سورج اور چاند میں گر ہن کسی کی موت و زندگی سے واقع نہیں ہوتا، بلکہ یہ دونوں اللہ کی مخلوقات میں سے ہیں، اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں جس طرح کی جدت چاہے پیدا کر دے، الہذا دونوں میں سے کسی میں بھی گر ہن ہو جائے تو نماز پڑھو یہاں تک کہ گر ہن ختم ہو جائے یا کوئی نیا معاملہ پیدا ہو جائے۔

### آفات کے وقت نماز:

جب آسمان سرخ ہو جائے، تیز آندھی چلے یا اندھیرا چھا جائے، مسلسل بارش یا اولے پڑیں، وبا کی امراض شدت سے اختیار کر جائیں، یا زلزلہ وغیرہ آجائے یادشمن کا خوف پیدا ہو جائے تو اس

## نفل نمازوں میں

### مفتقی راشد حسین ندوی

اس سے پہلے شمارہ میں کچھ نفل نمازوں کا تذکرہ ہوا تھا، اب اس شمارہ میں ان نمازوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جن کی وضاحت رہ گئی تھی:

### نماز کسوف:

جب سورج گر ہن ہو جائے تو دو رکعت یا چار رکعت با جماعت نماز پڑھنا مسنون ہے، اس نماز کے لیے اذان و اقامۃ مشروع نہیں ہے، اس میں طویل قراءت مسنون ہے، رکوع و تہود بھی طویل کئے جائیں گے، اس طرح دریتک نماز میں مشغول رہے، اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ پورا وقت نماز اور دعاء میں مشغول رہے، اسی لیے نماز ختم ہونے کے بعد وقت باقی ہو، گر ہن ختم نہ ہوا ہو تو امام اور مقتدیوں کو دعاء میں مشغول رہنا چاہیے، یہاں تک کہ سورج گر ہن ختم ہو جائے، اگر امام چاہے تو جہری دعا بھی کراستا ہے۔

(شامی: ۱/۶۲۲-۶۲۳، ہندیہ: ۱/۱۵۳)

اس نماز کا ذکر بہت ساری احادیث میں آتا ہے، مثلاً: حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: سورج گر ہن ہو گیا تو نبی کریم ﷺ کھبرا کر کھڑے ہو گئے کہ مبادا قیامت واقع ہو گئی ہو، پھر آپ ﷺ تشریف لائے اور طویل ترین قیام اور رکوع اور تہود کے ساتھ نماز پڑھائی، جس طرح میں نے آپ کو بھی بھی کرتے نہیں دیکھا تھا، اور آپ نے فرمایا: یہ نشانیاں ہیں جن کو اللہ بھیجا تھے، کسی کی موت زندگی سے ان کا وقوع نہیں ہوتا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ اپنے بندوں کو ڈرata ہے، تو جب ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو اللہ کے ذکر، دعا اور استغفار کی طرف جلدی کرو۔

(بخاری و مسلم)

نماز کسوف میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک قراءت آہستہ کی جائے گی، جب کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جہر کیا جائے گا۔

(شامی: ۱/۶۲۲)

کہ جس طرح چادر پہنی گئی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ حالات میں بھی تبدیلی پیدا فرمادے، چادر پہننے کی کیفیت یہ ہے کہ یا تو نیچے کا حصہ اوپر کر دے یا جو حصہ دا سیں جانب تھا اس کو باہمیں جانب اور جو باہمیں جانب تھا اس کو وہی طرف کر لے، اگرچہ وغیرہ پہنے ہو تو اسٹر کا حصہ ظاہری طرف کر لے۔ (ہندیہ: ۱۵۲/۱، شامی: ۶۲۶/۱)

بہتر یہ ہے کہ یہ عمل تین دن تک کیا جائے۔ (ایضاً) اسی طرح یہ بھی مستحب ہے کہ استسقاء کے لیے نکلنے سے پہلے لوگ تین دن روزہ رکھیں، نکلنے سے پہلے کچھ صدقہ کریں، میدان تک پیدل جائیں، پھٹے پرانے کپڑے پہن کر لکھیں، اللہ کے لیے تواضع اور خشوع ظاہر کریں، ندامت کا اظہار کریں، بھی مذاق نہ کریں، کمزوروں اور بچوں کو نکلتے وقت آگے رکھیں، بے زبان جانوروں کو ساتھ لا سیں، تاکہ بچوں بوڑھوں اور جانوروں کی بدحالی دیکھ کر اللہ کی رحمت جوش میں آئے۔ (شامی: ۶۲۲/۱)

دعا کرتے وقت سنت یہ ہے کہ ہاتھ الٹ کر دعا کی جائے، یعنی عام دعاؤں میں ہتھیں کا اندر وہی حصہ آسمان کی طرف کیا جاتا ہے، لیکن استسقاء کی نماز میں ظاہری حصہ آسمان کی طرف اور باطنی حصہ زمین کی طرف کیا جائے گا۔ (مسلم)

دعا ہر دن خطبہ کے بعد کی جائے گی، دعا کے وقت امام قبلہ رو ہو کر دعا کرائے گا، اور سب اس کی دعا پر آمین کہیں گے، بہتر یہ ہے کہ اس موقع پر وارد مسنون دعاؤں کا بھی اہتمام کیا جائے، مثلاً یہ دعا:

”اللَّهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْثًا مُرِيْثًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ“

(أبوداؤد)

اگر کسی وجہ سے باہر نکل کر نماز باجماعت نہ پڑھی جاسکتی ہو تو یہ بھی جائز ہے کہ انفرادی طور پر نماز پڑھ لی جائے۔ (شامی: ۶۲۳/۱)

اگر نماز کا اعلان ہو گیا تھا، لیکن نکلنے سے پہلے ہی بارش ہوئی تو مستحب یہ ہے کہ اللہ کا شکردا کرنے کے لیے باہر نکلیں، اور شکردا کے طور پر نماز پڑھ کر دعا کریں۔ (شامی: ۶۲۵/۱)

طرح کے حالات میں بھی اپنے اپنے گھر میں بغیر جماعت کے نماز میں مشغول ہو جانا چاہیے۔

(شامی: ۶۲۳/۱، ہندیہ: ۱۵۳/۱)

اس لیے کہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ ”جب اس طرح کی خوف میں بٹلا کرنے والی چیزیں دیکھو تو نماز کی طرف جلدی کرو۔“ (بخاری)

### نماز استسقاء:

استسقاء کے معنی بارش طلب کرنے کے ہیں، اگر کسی علاقہ میں بارش نہ ہو رہی ہو، اور پانی حاصل کرنے کے لیے ذرا رکھ بھی موجود نہ ہوں تو اس طرح کے خاص حالات میں باران رحمت طلب کرنے کے لیے خاص انداز میں نماز پڑھی جاتی ہے، اسی کو استسقاء کی نماز کہتے ہیں۔ (شامی: ۶۲۳/۱)

اس کے لیے نماز پڑھنا ہی متعین نہیں ہے، بلکہ اس کے کوئی طریقے منقول ہیں، پہلا طریقہ قرآن مجید میں یہ بتایا گیا کہ بارش نہ ہو رہی ہو تو تو بہ استغفار کیا جائے، اللہ تعالیٰ بارش نازل فرمائے گا:

﴿إِسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَارًا ﴾ يُرِسِّلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مَذْرَارًا﴾ (نوح: ۱۱-۱۰)

(اپنے رب سے بخشش چاہو، یقیناً وہ بڑا بخشش فرمانے والا ہے، وہ تم پر اپر سے موسلا دھار بارش نازل فرمائے گا) اسی طرح بعض احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے، آپ سے بارش کے لیے دعا کرنے کی درخواست کی گئی، آپ نے دعا کی اور پھر اگلے ہفتہ تک بارش ہوتی رہی۔

(الحدیث)

بہر حال جب سخت حالات ہو جائیں تو استسقاء کے لیے عید کی طرح آبادی سے باہر نکل کر دور رکعت نماز باجماعت پڑھنا مسنون ہے، اس میں قرأت جہری کی جائے گی، اور نماز کے بعد عید کی نماز ہی کی طرح خطبہ دیا جائے گا، بہتر یہ ہے کہ عیدین ہی کی طرح دو خطبے ہوں جن کے درمیان تھوڑی دیر بینٹھے۔

(شامی: ۶۲۳-۶۲۲/۱، ہندیہ: ۱۵۳/۱)

استسقاء کے خطبہ کے کچھ حصہ گز نے کے بعد مسنون یہ ہے کہ امام اپنی چادر کو پلٹ دے، یہ پلٹنا ایک نیک فائی کے طور پر ہے

بدعا نہیں دینا ان کے لیے بھی دعا کرتا ہے، جو مخالفت کرنے والوں کو نواز تارہا، زخم خود راں کے زخم سہتارہا ہے، شاعر نے خوب کہا ہے۔  
 گالیاں جس نے دیں اس کو تھے دیئے  
 زخم جس کے لگے زخم اس کے ہے  
 اسی ذات با برکت سراپائے نقدس کے تربیت یافتہ و محبت  
 یافۃ "صحابہ" کہلائے، ان کا حال حالی نے خوب بیان کیا ہے۔  
 جہاں کر دیا نرم نرم گئے وہ  
 جہاں کر دیا گرم گرم گئے وہ  
 ان کی نیازمندیاں، سرفروشیاں، فرمانبرداریاں، اخلاق  
 مندیاں، دلداریاں، قربانیاں، اول المعز میاں ان کا ایک ایک باب  
 ایسا ہے کہ جس کے لیے صفات کے صفات نہیں دفتر کے دفتر نذر  
 کر دیئے جائیں تو بھی کم۔

یہ صحابہ تھے سب سے بلند حوصلہ و کردار کی جماعت، سب  
 سے اوپرے اخلاق کا مقدس گروہ، ہاں مگر گروہ انبیاء سے نہ تھے،  
 عصمت تو انبیاء ہی کو حاصل ہے، اس میں کسی کو ان کی برادری نہیں،  
 مگر ہم کیوں نہیں کہ ان سے چوکیں ہوئیں اور گر ہوئیں بھی تو  
 ہمارے لیے کہ ہم ایسے موقعوں پر وہ کریں جو کوہ یہ کر کے دھلانگئے،  
 اللہ اللہ! توبہ اور کسی زبردست توبہ! انا بات کیسی عظیم انا بت! رجوع  
 کیسا سچار جو ع! اور پھر ندامت ایسی کہ وہ عظیم نیکی بن جائے، جس  
 کے آگے ہزاروں نیکیاں پیچ ہو جائیں، وہ نیکی کرنا سکھلا گئے، بدی  
 کو بدی سمجھنا بتلا گئے، توبہ و انا بت اور رجوع الی اللہ کا طریقہ سمجھا  
 گئے، دنیا کی بے شتابی اور آخرت کی ابدیت و دوام پر یقین بٹھلا گئے  
 اور اپنے رب کو راضی کر کے چلے گئے، ایک ایک کر کے جاتے  
 رہے، وفات نبوی کو سو سال پورے ہونے کو ہوئے تو روئے زمین  
 پر کسی ایک کا دیدار بھی حدامکان سے باہر ہو گیا۔

آج صدقہ ہے انھیں کی قربانیوں کا کہ قرآن کی دولت  
 ہمارے پاس ہے، حدیث و سیرت نبوی کا ذخیرہ ان ہی کی مر ہوں  
 منت ہے، یہی فارغ روم و ایران اور مصر و شام ہیں، ان ہی کی فتوحات  
 کا صدقہ ترکستان، خراسان، ماوراء النہر، ہندو سندھ، پورب افریقہ کی  
 فتوحات ہیں اور پھر اب جہاں اسلام کا پیغام پہنچ چکا ہے سب ان ہی  
 کی صدقات میں ہیں، (باقیہ صفحہ: ۱۸/ پ)

## آسمانِ برکت کے درختاں ستارے

### سید محمود حسن حسني ندوی

زندگی گزارنے کے لیے کسی نہ کسی کو نمونہ بنانا پڑتا ہے، جس  
 قوم کے سامنے جس کا نمونہ رہا وہ قوم اسی کی کہلائی، صحابہ کرام رضی اللہ  
 عنہم نے خاتم النبیین سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نمونہ بنایا،  
 ان کا انتساب ان ہی نبی آخراں مام صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا،  
 احکام اترتے رہے، ارشادات نبوی سامنے آتے رہے، صحابہ کی زندگی  
 اسی کے مطابق ڈھلتی رہی، جس کام کے کرنے کو کہہ دیا گیا وہ اس میں  
 ایک دوسرے سے آگے بڑھے جا رہے ہیں، جس بات سے روک دیا  
 گیا، اس سے رکنے کی وہ تیز فقاری کہ ہر صحابی یہ سمجھ رہا ہے کہ اللہ کے  
 فضل سے سب سے پہلے میں رک گیا، صدقات و خیرات کی ترغیب  
 دی جا رہی ہے، ہر ایک جو لاسکتا ہے لا کے پیش کیے جا رہا ہے، کوئی  
 ہے کہ اپنا سب کچھ قربان کیے جا رہا ہے، ایمان و یقین اور تصدیق کا یہ  
 حال کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمادیں بعینہ وہ تسلیم، جو بتا دیں بے کم  
 و کاست اس پر یقین، اور جو عمل میں لے آئیں اس کی اسی وقت  
 تصدیق، ایمان ہو تو ایسا، محبت ہو تو ایسی، تعلق ہو تو اس قدر، محبت اپنی  
 ذات سے اور اپنے اہل و عیال سے اور مال باپ سے کسے اور خوب تر  
 کیوں نہ ہو، حضرات صحابہ کو بھی تھی، لیکن جب دین کا مسئلہ آجاتا تو پھر  
 یہ سب کچھ بالائے طاق رکھ دیتے، جنگوں میں ایسے کتنے واقعات  
 سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پائیں گے مگر یہ دیکھ کر آنکھ  
 بدنداں ہوئے بغیر رہانہ جائے گا کہ ایسی ان کی تربیت ہوئی کہ اعلائے  
 کلمۃ اللہ کی راہ میں وہ کسی محبت و تعلق کو حائل نہیں ہونے دیتے تھے،  
 کمال ایمان کا ایسا شوق کہ جب یہ سننے کوں گیا محبت پیغمبر خدا سے جو  
 ہواں کے سامنے مال باپ بیوی بچوں مال و متاع سب کی محبت پیچ تو  
 لمحہ بھر میں یہ حال ہوتا دھائی دینے لگا کہ یہ ساری بحیثیں اس محبت کے  
 آگے پیچ ہو گئیں، کیونکہ نہ ہو محبت اس ذات پاک سے جو کہ محبوب  
 رب العالمین بنے اور صرف ایک خاندان، قبیلہ یا اعلاقہ اور ان لوگوں کا  
 جو ایمان لائے محسن نہیں پوری انسانیت کا محسن ہے جو ظالموں کو بھی

## مسلمانوں کی تعلیمی پسمندگی

محمد غوث سیوانی

رپورٹ آئیں، ان میں مسلمان کوئی اچھی حالت میں دکھائی نہیں دیئے، ہر رپورٹ کہتی ہے کہ وہ تعلیم ہی نہیں اقتصادی میدان میں بھی دن بہ دن پسمند ہو رہے ہیں، مردم شماری 2011ء کی رپورٹ کا ایک حصہ حال ہی میں مرکزی سرکار نے جاری کیا ہے جس کے اعداد و شمار کے مطابق ملک میں سب سے زیادہ ناخواندہ مسلمان ہیں، اور گرجیویٹ سٹٹھ کی تعلیم میں بھی وہ سب سے زیادہ پچھڑے ہوئے ہیں، ہندوؤں کی کل آبادی کا 36.40% فیصد حصہ ناخواندہ ہے، وہیں سکھ، بدھ مت اور عیسائی جیسی اقلیتی کیوں نہیں میں ناخواندگی کی شرح بالترتیب 28.2، 32.5 اور 25.6 فیصد ہے، اگر پورے ملک کی بات کریں تو کل آبادی کا 36.90% فیصد حصہ ناخواندہ ہے، عیسائی کیوں نہیں کی کل آبادی کا 74.30% فیصد حصہ پڑھا لکھا ہے، وہیں بدھ مت، سکھ، ہندو اور مسلم کیوں نہیں کی کل آبادی کا بالترتیب 57.3، 63.6، 67.5، 71.8 اور 57.3 فیصد حصہ پڑھا لکھا ہے، ملک میں تمام مذاہب کو ملا کر دیکھا جائے تو کل آبادی کا محض 5.63 فیصد حصہ ایسا ہے جو گرجیویشن یا اس سے زیادہ کی تعلیم حاصل کر پایا ہے، جس میں 61.60% فیصد مرد اور 40.40% فیصد خواتین شامل ہیں، تمام مذاہب کے 7 سے 16 سال کی عمر کو دیکھیں تو 7 11.7 فیصد حصہ ناخواندہ ہے، 36.67 فیصد نے پرائزیری تک، 15.56 فیصد نے مڈل اسکول تک اور 5.69 فیصد نے دسویں تک کی تعلیم حاصل کی ہے، تمام مذاہب کا 17 سے 18 سال تک کی عمر کا 11.37 فیصد حصہ ناخواندہ ہے، 4.62 فیصد پرائزیری سے پیچے تک تعلیم یافتہ ہیں، 14.35 فیصد پرائزیری تک تعلیم یافتہ ہیں، 18.59 فیصد مڈل اسکول تک تعلیم یافتہ ہیں، 37.97 فیصد نے دسویں تک کی تعلیم حاصل کی ہے، وہیں تمام مذاہب کے 19 سے 24 سال تک کی عمر کی بات کریں تو 16.25 فیصد ناخواندہ ہیں، 4.20 فیصد خود ناخواندہ ہیں، 5.73 فیصد پرائزیری سے پیچے تک تعلیم یافتہ ہیں، 14.93 فیصد نے پرائزیری تک تعلیم حاصل کی ہے، 19.66 فیصد مڈل تک پڑھے ہیں، 11.58 فیصد نے دسویں تک تعلیم حاصل کی ہے، 16.84 فیصد نے 12 تک تعلیم حاصل کی ہے، 0.20 فیصد نے نان ٹیک ڈپلومہ کورس کیا ہے، 1.56 فیصد ایسے ہیں جنہوں نے مینکل ڈپلومہ کورس کیا ہے اور 10.91 فیصد نے گرجیویشن یا اس سے زیادہ کی تعلیم حاصل کی ہے۔

بھارت سرکار کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق ہندوستانی مسلمان تعلیم کے میدان میں دوسرے اہل مذہب کے مقابلے پچھڑے ہوئے ہیں، مگر دوسری بہت سی رپورٹیں کہتی ہیں کہ یہ صورت حال صرف بھارت کی نہیں بلکہ ساری دنیا کی ہے، مسلم ملکوں میں شرح ناخاندگی کم ہے اور اعلیٰ تعلیم یافتہ مسلمان تو خال خال ہی نظر آتے ہیں، مسلم ملکوں میں یونیورسٹیاں، کالج اور تعلیمی ادارے بہت کم ہیں، اور جو ہیں ان کا معیار تعلیم سطحی ہے، عرب ملکوں میں تیل کی شکل میں سیال سونا نکلا جو قدرت کی طرف سے ایک تختہ چاگمر یہاں کے عام مسلمانوں کا اس سے کچھ خاص بھلاندیں ہوا، اس دولت کا استعمال تعلیم اور تحقیق کے میدان میں کم ہی ہوا، یورپ اور امریکہ میں بھی جو ناخواندہ افراد ہیں وہ مسلم ملکوں کے مہاجرین ہیں، سوال یہ ہے کہ مسلمان تعلیم کے میدان میں آگے کیوں نہیں بڑھنے کی کوشش کرتے؟ جب کہ قرآن کی بہ طور نزول پہلی آیت "اقرأ" ہے جس میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

دنیا میں صرف اسلام ایسا مذہب ہے جو کہتا ہے کہ "ہر مسلمان مرد و عورت پر تعلیم کا حصول فرض ہے"، مگر مسلمان مرد خود جاہل رہتا ہے اور اپنے بیٹوں کو کچھ تعلیم دلادے تو دلادے مگر بیٹوں کو جاہل رکھنا وہ باعث فخر سمجھتا ہے، قرآن کریم بار بار غور و فکر کی دعوت دیتا ہے مگر مسلمان سائنس سے کوسوں دور رہتا ہے، وہ تحقیق کے فیلڈ میں کام کرنے سے گریز کرتا ہے۔

مسلم ملکوں میں کم عمر پچے موثر بالکس کے ساتھ مڑکشتوں میں مصروف نظر آئیں گے، کرکٹ بلوں کے ساتھ پچن اور سور و بنے کی کوشش کرتے دکھائی دیں گے، مگر تعلیم میں مسابقت کی کوشش نہ ہی مسلم بچے کرتے ہیں، سوال یہ بھی ہے کہ حکومت پر تو ہم الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکریوں سے محروم رکھتی ہے مگر جب ہم تعلیم سے ہی دور ہوں گے تو مقابلہ میں کیسے آئیں گے؟ آزاد ہندوستان میں جتنے بھی سروے ہوئے اور جتنی تحقیقی

ضروری ہے، ایمان لانے کا مطلب دل سے یہ اعتقاد رکھنا اور زبان سے یہ اقرار کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسولوں پر ان کتابوں کو نازل فرمایا، ان کے اندر لوگوں کی ہدایت کا سامان تھا، اور جس نبی پر جو کتاب نازل کی گئی، اس کے ماننے والوں پر اس کتاب میں بیان کردہ تعلیمات کے مطابق زندگی گذارنا فرض تھا، جس طرح امت مسلمہ پر قرآن مجید کی روشنی میں چنانا ضروری ہے۔

آسمانی کتابوں کی تعداد کے متعلق کوئی حقیقتی رائے قائم کرنا مشکل ہے، البتہ قرآن مجید کی آیات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مشہور آسمانی کتابیں چار ہیں: (۱) تورات، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، (۲) انجیل، جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی، (۳) زبور، جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی، (۴) قرآن مجید، جو حضور اکرم ﷺ پر نازل ہوا، اس کے علاوہ قرآن و حدیث سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مختلف انبیاء کو ان کی قوموں میں صحیفے دے کر مبعوث کیا گیا، جن میں ان کی قوموں کے لیے زندگی گذارنے کے طریقے بیان کئے گئے تھے۔

آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کے سلسلہ میں یہ بات ذہن نشیں رہے کہ امت مسلمہ صرف اس بات کی مکلف ہے کہ وہ آسمانی کتابوں کو آسمانی کتاب تسلیم کرے، لیکن جن قوموں میں اس کتاب کا نزول ہوا تھا، ان کا بے دردی سے ان کتابوں کے ساتھ عمل جراحی کرنے کی وجہ سے ان کو معتبر ہرگز نہ سمجھے، امت مسلمہ کے لیے قابل اعتبار و قابل عمل صرف ایک ہی کتاب ”قرآن مجید“ ہے، جس میں ساری انسانیت کی فلاح مضر ہے، اس کی حفاظت کا وعدہ خود رب العالمین نے اپنے ذمہ لیا ہے، اس میں کسی انسان کو یہ اختیار نہیں کہ وہ تحریف سے کام لے سکے، یہ کتاب ہر طرح کے شک و شبہ سے پاک ہے، باطل اس کے قریب بھی پھٹکنے کی سکت نہیں رکھتا۔

قرآن مجید پر ایمان لانے کا مطلب صرف یہی نہیں کہ اس کو محض آسمانی کتاب سمجھ لیا جائے، بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان زندگی کے ہر گوشہ میں اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی کوشش کرے، دل کی گہرائیوں سے اس کو خدا کا کلام مانتے ہوئے، اپنے اعمال و افعال سے اس کی سو فیصد تصدیق کرنے والا ہو، ورنہ محض آسمانی کتاب مانا اور پیغام کتاب سے غافل رہنا کوئی عقل مندی نہیں۔

## آسمانی کتابوں پر ایمان

محمد امغار مغان بدایونی ندوی

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ (ﷺ) قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِلَيْمَانَ أَنْ تُؤْمِنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرَسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْقَدَرِ خَيْرٍ وَشَرٍّ. (سنن الترمذی: ۲۸۱۵)

**ترجمہ:** - حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تم ایمان لاوے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، آخرت کے دن پر اور اچھی بری تقدیر پر۔

**فائده:** - اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء اور پیغمبروں پر کتابیں نازل فرمائیں، جن میں انسانوں کو زندگی گذارنے کا طریقہ، ان کے آپسی معاملات کا مکمل حل، اور قرب الہی کے حصول کے مفصل طریقے بیان کئے گئے تھے، ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًاٰ بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُولُوا النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ (الحدید: ۲۵) (یقیناً ہم نے اپنے رسولوں کو کھلے دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب بھی اتنا ریاض و بھی تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں)

اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ہر صاحب ایمان پر لازم ہے، قرآن مجید میں صراحةً سے اس کا تذکرہ موجود ہے، ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿قُولُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلَ إِلَيْنَا وَمَا أَنْزَلَ إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ (آل بقرۃ: ۱۳۶) (تم کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس پر جو ہم پر اتنا را گیا اور اس پر جو ابراہیم و اسماعیل اور اسحق و یعقوب اور اولاد (یعقوب) پر اتنا را گیا اور جو موسیٰ و عیسیٰ کو دیا گیا اور جو نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دیا گیا، ہم ان میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اسی کے فرماں بردار ہیں)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا

اور سماجی تحریکیں چلیں ان کے نتیجے میں سیاہ قام کے علاوہ دیگر اقلیتوں اور عورتوں کو بھی نئے حقوق حاصل ہوئے، آج آبادی کے لحاظ سے امریکہ میں اقلیتوں کی تعداد پنٹیس فیصد (35%) سے بھی زائد ہے جو مستقبل قریب میں اکثریت میں بھی بدل سکتی ہے۔ اس کے علاوہ گلوبالائزشن کی تحریک بھی امریکہ کے حق میں شب خون ثابت ہوئی جس نے اس کی اجراء داری کو زبردست چینچ کیا، اور امریکہ دنیا کے عظیم معاشی بحران کے زخم میں جا پھنسا۔ پہلی وہ لپس متظر ہے جس کی بنیاد پر ٹرمپ نے ”امریکہ فرست“ کا نزدہ دیا۔

ٹرمپ کے اس نزدہ کی بازگشت نے امریکہ کے سبھی باشندوں کو اپنی جانب متوجہ کیا، پسمند ریاستوں اور دیہی علاقوں نے اس نزدہ کو اپنے حق میں ”اچھے دن کی واپسی“ سے تعبیر کیا، جبکہ شہری اور ترقی یافتہ ریاستوں میں اس نزدہ کو ”نسل پرستی“ اور ”رجعت پرستی“ کا مظہر کیا گیا۔ واضح رہے کہ 1980ء کے بعد سرمایہ دارانہ نظام معاشی طور پر گلوبل (Global) ہو گیا، اور بہت حد تک تسلیل زرو اشیاء پر سے ملکی پابندیاں اٹھائی گئیں، جس کے بعد دنیا کے کئی ممالک میں صنعتی انقلاب رونما ہوا، ایک طرف چین دنیا کی سب سے بڑی صنعتی بننے کا دعویدار ہے تو دوسری جانب امریکہ کی صنعتی اجراء داری خاتمه کے قریب ہے، امریکہ میں معاشی افراط و تفریط ہوش ربا انداز میں تیزی سے بڑھتی جا رہی ہے جس کے نتیجے میں امریکی باشندے خود کو گلوبالائزشن کا شکار گردانے لگے ہیں۔

2008ء کے معاشی بحران کے بعد سے امریکہ کا زیادہ تر سرمایہ امریکہ سے باہر منتقل ہو رہا ہے، اور ان ملکوں کی صنعت میں استعمال ہو رہا ہے جہاں پیداوار کی لاگت کم سے کم ہے، چونکہ صنعت کی ترقی کا پورا مدار کارکنوں اور دیگر پیداوار کی اجرت پر ہوتا ہے، اس لحاظ سے جو کام چین میں ایک ڈالر کی اجرت پر ہوتا ہے وہی کام امریکہ میں پندرہ سے بیس ڈالر میں ہوتا ہے، اس لیے امریکی سرمایہ دار اپنے پلانٹ (Plant) چین و ہندستان جیسے ملکوں میں منتقل کر رہے ہیں، جہاں ان کا منافع کئی گناہ بڑھ رہا ہے۔ امریکہ کی پنسلوانیا، اوہائیو، اور مشی گن جیسی ریاستوں نے ٹرمپ کے اس نزدے پر ووٹ دیا کہ وہ ان صنعتوں کو دوبارہ واپس لے کر آئیں گے۔

ٹرمپ نے یہ تاثر دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ امریکی عوام کے مسائل کی ایک وجہ اقتیانیں، تاریکین وطن اور چین جیسے ممالک ہیں اور

## ڈونالڈ ٹرمپ کی فتح

محمد تقی خاں ندوی

عرب پتی مسٹر ڈونالڈ ٹرمپ (Donald Trump) نے امریکہ کے پینتالیسوں (45) صدرگی حیثیت سے باقاعدہ عہدہ سنبھال لیا ہے، ٹرمپ کی کامیابی نے پوری دنیا میں ایک تہمکہ مجادیا ہے، کچھ بخت پہلے تک سیاسی مسخرہ اور ہنی طور پر غیر متوازن سمجھا جانے والا یہ شخص غیر متوقع کامیابی حاصل کر کے آج امریکہ کا صدر بن چکا ہے، تاہم تاریخی لحاظ سے وہ امریکہ کے دیگر صدور کے مقابلہ نہ صرف مختلف فیہ ہیں بلکہ انھیں اندر وہنی و بیرون مختلف قسم کی صورت حال کا سامنا بھی ہے، جس کی بنیادی وجہ ان کے جارحانہ بیانات اور ان کی غیر داشمندانہ اور تقصب سے بھری ہوئی پالیسیاں ہیں۔

ٹرمپ کی کامیابی کے مختلف اسباب میں وہ مدعا شامل ہیں جن کا براہ راست تعلق عوام الناس سے ہے، سرمایہ داری کے گھرے بحران سے امریکی سماج میں شدید خلفشار، بے چینی اور سب سے بڑھ کر مروجہ سیاست سے بیزاری اور قوم پرستی کے عناصر پنپ رہے ہیں، ایسے حالات میں ٹرمپ نے معاشی مسائل کو انتخابی مدعایا کر کر یہ نزدہ دیا کہ ”هم امریکہ کو پھر سے عظیم تر بنائیں گے۔“

ڈونالڈ ٹرمپ اور ان کے حامیوں کے نزدیک ”عظیم تر امریکہ“ کا مطلب بیسوں صدی کی پانچویں اور چھٹی دہائی کا امریکہ ہے، جب دوسری جنگ عظیم کو ختم ہوئے زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، اس جنگ میں یورپ اور جاپان تباہ ہو چکا تھا اور صنعت کے میدان میں امریکہ کے دست مگر تھا، چین لپسمندہ اور زرعی ملک تھا، روں گرچہ ترقی کی راہ پر چل چکا تھا لیکن مصنوعات میں ابھی بھی امریکہ کا محتاج تھا، اس طرح صنعت کی دنیا میں امریکہ کا ہر چار سو بول بالا اور اسی کا غلبہ تھا، اور اسی غلبے نے امریکہ کو سپر پاور (Super Power) بنادیا تھا۔ اس کے علاوہ آبادی کے لحاظ سے امریکہ بہت حد تک سفید قام ملک تھا، کالے غلاموں کی اقلیت تھی اور دوسری نسلی اقلیتیں نہ ہونے کے برابر تھیں، سیاہ قام امریکیوں کے خلاف طرح طرح کی پابندیاں زیر عمل تھیں، ملک میں برابر کے شہری کا تصور بھی نہیں پیدا ہوا تھا، لیکن چھٹی دہائی میں جو سیاسی

## آسمان ہدایت کے درخشان ستارے بقیہ:

..... انہوں نے نظام تعلیم دیا، نظام حکومت و سیاست بھی دیا، دنیا کی ترقی کا راز کس میں مضمون ہے اس کو عملی شکل دے کر بتایا، مسلمانوں کی حقیقی کامیابی کن امور پر مختصر ہے ایک ایک کو واضح کر کے یقین مضبوط کیا، یہ جماعت علمی بھی تھی، فکری بھی تھی، روحانی بھی تھی، جس کا مشن دعوت تھا، جہاں رہے داعیانہ کردار کے ساتھ رہے اور عالمانہ وقار پر آج ٹھیک نہیں آنے دی، یہ وہ مقدس جماعت تھی جس کے پسندیدہ ہونے کی سند رب العالمین نے دی، اور ان کے حسن کردار اور آئینہ میں ہونے کو دو جملوں میں صاف کر دیا ”رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ“ اس جماعت کے سرفہرست صدیق اکبر ہیں، ان ہی سے اس جماعت کا آغاز بھی ہوتا ہے، ان میں فاروق اعظم بھی ہیں جن سے وقت کی بڑی بڑی دنیوی طاقتیں تھرتی تھیں، یہ وہ جماعت تھی جس کے مردوں مرد خواتین بھی علم و فہم میں اتنی بڑھ گئیں کہ ان سے بھی مسئلے پوچھے جانے لگے، اور مشکلات حل کی جانے لگیں، حضرت عائشہ ام المؤمنینؓ تو اپنی مثال آپ ہی رہیں، جن کا تقدیس ایسا بے مثال کہ جب دشمنوں نے عیب جوئی کی تو عرش حرکت میں آگیا اور عرش بریں سے پارسائی کی شہادت اتری، اور آپس کا ایمانی اتحاد و اتفاق ایسا اور اسلامی تعلق و ارتباط ایسا مضبوط کہ جب جب دشمنوں نے مزاجی اختلاف اور اجتہادی فرق کو دیکھ کر رخنہ ڈالنے کی کوشش کی تو یہ سارے کے سارے ایسی سیسے پلاٹی ہوئی دیوار بن کر شریعت و دین محمدی ﷺ کی حفاظت، حق کے غلبہ اور اللہ کے نام کی سربلندی کے لیے کھڑے ہو گئے کہ دشمنوں کو سرچھانے کا موقع نہ ملا، اس جماعت کا ہر فرد اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار، دینی حمیت میں ڈوبا ہوا، اور ایسا کیوں نہ ہوتا ان کی ہر ادا عاشقانہ، ان کا طرز فدائیانہ ان کا خیال و اعتقاد مومنانہ تھا، تو کیا اہل ایمان کا حق نہیں بنتا کہ ان کی قربانیوں کا احسان مانیں اور ان کا ادب و احترام دل سے کریں، اور ان کی شان میں کوئی گستاخی نہ ہونے پائے، نہ زبان سے نہ قلم سے وہ سب کے سب اللہ کے محبوب تھے، اللہ کے یہاں ان کا مقام بہت بلند ہے، ان کی شان میں گستاخی کرنے والا خود اپنی آخرت بگاڑنے والا ہے۔ ”والحق انہم هم المؤمنون حقاً و کلم عدول۔“

اس حوالہ سے سخت قوانین بھی وضع کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ انہوں نے میکسکو کی سرحد پر ایک عظیم دیوار کی تعمیر اور سات مسلم ممالک کے امریکہ کا سرمایہ داری نظام ایسے گہرے بحران کا شکار ہے کہ ٹرمپ جیسے قدامت پرستوں کے پاس اس کا کوئی حل نہیں ہے، امریکی معیشت پر مزدہ ہے اور تقریباً ایک یا ڈیڑھ فیصد کی سالانہ شرح سے آگے بڑھ رہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ نئے کار و بار شروع نہیں ہو رہے ہیں اور نہ ہی نئی سرمایہ کاری ہو رہی ہے، جس کے نتیجہ میں بے روزگاری کی شرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

ایسے حالات میں ٹرمپ نے امریکہ سے باہر گئی کمپنیوں کو ملک میں دوبارہ لانے کا نفرہ دیا ہے جو ہندستان میں مسٹر مودی کے ”کالا دھن“ واپس لانے کے نفرے ہی کی طرح ناممکن العمل ہے، کیونکہ اس میں سب سے بڑا کردار میڈیا کا ہے اور میڈیا پورا کا پورا ان صہیونیوں کے قبضہ میں ہے جو امریکہ کے اندر وون و بیرون سرمایہ دار ہیں۔ اس کے علاوہ امریکہ کے موجودہ معاشی ڈھانچہ کو تبدیل کرنے کے لیے ٹرمپ کے پاس کوئی واضح لائچہ عمل بھی نہیں ہے، صرف ”قوم پرستی“ اور ”اچھے دن“ کے نعروں سے کوئی ملک عظیم نہیں بنتا۔

تجزیہ نگاروں کے نزدیک اس بات کا قوی امکان ہے کہ ٹرمپ ملک میں سرمایہ کاری کو بڑھانے اور بے روزگاری کی شرح کو روکنے کے لیے ہی پالیسیاں اور سخت قوانین نافذ کرنے کی کوشش کریں گے لیکن فی الحال وہ سرمایہ دار طبقہ کو تیکس میں چھوٹ دینے کی بات کر رہے ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ تیکس کی چھوٹ سے سرمایہ داروں کی بچت میں اضافہ ہو گا جس سے ملک میں سرمایہ کاری بڑھے گی، لیکن جیسا پہلے کہا جا چکا امریکی سرمایہ بہتر منافع کی غرض سے بیرون ممالک تیزی سے منتقل ہو رہا ہے اور اسیں قانونی دباؤ کے ذریعہ روکا نہیں جا سکتا۔ البتہ تیکس میں چھوٹ کا سیدھا فائدہ ان کمپنیوں کو ضرور ہو گا جو ابھی ملک سے باہر نہیں جاسکی ہیں، یا بالفاظ دیگروہ صیہونی کمپنیاں جو امریکہ کے سیاسی اخراجات اٹھاتی ہیں اور انھیں کے مشورے اور منشاء کے مطابق حکومتی نظام چلتا ہے ان کا معاشی بحران دور ہو گا، اس کے کھلے متانج میں ایک طرف کچھ لوگوں کو روزگار ضروری جائے گا لیکن دوسرا طرف امیر و غریب طبقوں کے مابین خلچ بھی گہری تر ہوتی جائے گی۔

شیشیوں کا مسیح اکوئی نہیں جو ٹوٹ گیا وہ ٹوٹ گیا

## صحابہ والی نماز

ابوالعباس خان

میں بڈھانہ کا عبدالحی ہوں، سنا ہے کہ میرے پیش پیچے لوگ مجھے ”علامہ بڈھانوی“ بھی کہہ لیتے ہیں، جو محض اللہ رب العزت کا فضل و کرم اور میاں صاحبؒ کی صحبت و تربیت کا فیض ہے، ورنہ میں کیا ہوں اور میری حیثیت کا ہے یہ مجھ سے بہتر کون جان سکتا ہے! حضرت سید احمد شہیدؒ کو ہم لوگ عام بول چال میں میاں صاحب یا میر صاحب کہا کرتے تھے، ورنہ حقیقت میں تو وہ امیر المؤمنین تھے، نہایت سادہ مزاج اور رغایت درجہ شفیق، لیکن ایمانی رعب اس قدر کہ ہم سب ان کے سامنے لرزائ رہا کرتے تھے۔

مجھے وہ ایام اچھی طرح یاد ہیں جب میں اصلاح حال اور ترقیہ نفس کی خاطر بزرگوں اور صوفیوں کی توجہ حاصل کیا کرتا تھا، لیکن کسی کے آستانہ سے میرا مقصود حاصل نہ ہوتا، بالآخر ایک دن میں نے اپنے شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ حضور والا! میں سلوک و معرفت کا متنی ہوں، آپ کے حسب ایماء میں نے بہنوں کی توجہ حاصل کی، لیکن میرے دل میں چبھی ہوئی پھانس نکل ہی نہیں رہی، جس ایمانی لذت کا میں متنی ہوں اس کی شمع بھی کہیں نظر نہیں آتی، اب آپ خود ہی مجھے اس راہ کی تعلیم دیجیے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے فرمایا: ”میاں! میں بوڑھا اور کمزور ہو چکا ہوں، بہت دیر تک بیٹھنے کی طاقت بھی نہیں ہے، تمھیں تمہارا مقصود بس میر صاحب سے ہی حاصل ہو سکتا ہے، اس لیے تم ان سے بیعت ہو جاؤ۔“

یقچ کہوں تو حضرت شیخ کا یہ فرمانا مجھے بالکل اچھا نہیں لگا بلکہ مجھے کچھ ناگواری بھی محسوس ہوئی، میں خاموشی سے اٹھا اور چلا گیا، لیکن میرے دل کی بے قراری مجھے بار بار حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے پر مجبور کرتی اور ہر بار مجھے یہی جواب ملتا کہ ”میر صاحب سے بیعت ہو جاؤ۔“

میر صاحب سے میرا کوئی ذاتی تجربہ نہیں تھا، لیکن ان کے بارے میں سنا بہت کچھ تھا، میرے عزیز دوست میاں محمد اسماعیل کا رہنا سہنا انھیں کے ساتھ تھا، ایک رات جب میں بھی موجود تھا، میاں صاحب کہنے لگے کہ مجھے رب العزت نے الہام کیا ہے کہ میں فلاں تاریخ کو فلاں مقام پر جاؤں گا، اور اس قدر لوگ میرے مرید ہوں گے۔ میاں صاحب کی باتیں مجھے بڑی عجیب سی لگیں، اس لیے میں نے کوئی دھیان نہیں دیا، اگلے دن انھوں نے پھر ایسی ہی عجیب غریب باتیں پیان کیں، اور پھر کئی روز تک مکہ معظمہ کا سفر، جہاد کے اسفار اور دعوت و تبلیغ کے مختلف واقعات پیان کرتے رہے۔

میں نے میاں اسماعیل سے کہا کہ اگر یہ صاحب اپنی باتوں میں سچے ہیں تو یقیناً بہت بڑے ولی اور قطب زماں ہوں گے، اور ہم کو ان سے استفادہ ضرور کرنا چاہیے لیکن کیا ہی بہتر ہو کہ پہلے ہم لوگ ان کو آزمائ کر دیکھیں۔ میاں اسماعیل نے کہا کہ آپ بجا فرماتے ہیں، البتہ کس چیز میں آزمایا جائے یہ آپ ہی طے کریں۔

اگلی رات میں نے میاں صاحب سے کہا کہ حضرت آپ کی بزرگی میں ہمیں کوئی شبہ نہیں، اور آپ کی باتوں پر ہمیں کوئی اعتراض بھی نہیں، مگر صرف باتوں سے کیا حاصل، ہمیں کچھ عنایت بھی تو کیجیے۔ میاں صاحب نے کہا کہ ٹھیک ہے مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے کہا ہم بس اتنا چاہتے ہیں کہ جیسی نماز صحابہ کرام پڑھا کرتے تھے ویسی ہی دور کعت ہم سے بھی ادا ہو جائے۔ یہ سن کر میاں صاحب بالکل خاموش ہو گئے اور اس وقت کچھ نہ بولے۔ ہم سمجھ گئے کہ اب تک صرف زبانی باتیں تھیں، حقیقت میں کچھ بھی نہیں، لیکن مرد و تعلقات میں ہم نے کچھ نہ کہا اور پھر ہم سب اپنے بستر پر سور ہے۔ کمرہ میں صرف میں، میاں اسماعیل اور حضرت میاں صاحب تھے، رات خاصی گذر چکی تو میاں صاحب نے پکارا: مولا نا!

اس پکار میں ایسا رعب و جلال اور ایسا وقار تھا کہ میرے رو نگئے ہی کھڑے ہو گئے، میں یکبارگی اٹھ بیٹھا اور کہا: جی حضرت۔ انھوں نے فرمایا: جاؤ اس وقت اللہ کے واسطہ وضو کرو۔

یہ سنتے ہی مجھ پر ہیئت طاری ہو گئی، میں نے صرف جی کہا اور چل دیا، ابھی دو تین قدم چلا ہی تھا کہ حضرت نے پھر پکارا، میں پڑا، تو فرمایا کہ میں نے جو کہا اسے بخوبی سمجھ لیا ہے؟ اللہ کے واسطہ وضو

سے تو میں نے سورکعت سے زیادہ ہی پڑھی تھی، لیکن ہر بار یہی احساس رہتا کہ مجھ سے کوئی کوئی نہ واجب چھوٹ رہا ہے اور میری نماز ناقص ہو رہی ہے، آخر صبح صادق کا وقت قریب آپنچا اور میں نے سلام پھیر دیا۔

ندامت کی شدت اور احساس شرمندگی نے مجھے نہ حال کر دیا اور میں بے ساختہ روتا رہا اور خود کو ملامت کرتا رہا کہ میری استعداد اتنی ناقص ہے اور میرا استحضار اتنا کمزور ہے کہ میں ڈھنگ سے دور کعت بھی نہیں پڑھ سکتا۔

ہائے افسوس! مجھے اپنی کم مائیگی و کوتاہ دامنی نظر نہ آئی اور میں نے میاں صاحب پر اعتراض کر دیا، میں نے ان کو آزمانے کی جرأت کی، اب اگر انھوں نے مجھ سے پوچھ لیا کہ کیا تم نے دور کعت اللہ کے واسطے پڑھی تو میں کیا جواب دوں گا؟!

میں شرم و ندامت کے دریا میں ڈوبتا رہا اور میری خامیاں ایک ایک کر کے میرے سامنے ظاہر ہوتی رہیں، میں تڑپ تڑپ اٹھتا اور چھوٹ چھوٹ کر روتا، آنسوؤں سے میری داڑھی تر ہو گئی اور میری زبان سے استغفار اللہ استغفر اللہ کا ورد جاری ہو گیا۔ مسجد کے مینار سے جب اللہ اکبر کی صدائیں ہوئی تو مجھے ہوش آیا، اور یاد پڑا کہ صحابہ کرام کا پوری زندگی یہی معمول تھا، وہ نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ رات بھر عبادت کیا کرتے تھے اور روتے دھوتے استغفار کرتے ہوئے صبح کر دیا کرتے تھے۔ انہیں کی شان میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے: وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ (اور پچھلے پھر وہ میں استغفار کرنے والے)

مجھے یقین کامل ہو گیا کہ بلاشبہ حضرت میاں صاحب بڑے ولی و مرشد ہیں، میں مسجد گیا اور فجر کی نماز سے پہلے ہی حضرت سے بیعت ہو گیا۔ نماز بعد میں نے میاں اسماعیل سے رات کو پورا واقعہ بیان کیا، وہ بھی بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے بھی بیعت کر لی۔

میں نے بہت سے درویشوں کی خدمت کی تھی، اور بہت سے طریقوں کے موافق میں نے مراقبہ و مجاہدہ بھی کیا تھا لیکن حضرت سید احمد شہید کے ایک جملہ "اللہ کے واسطے" سے مجھے وہ نعمت اور وہ دولت حاصل ہوئی جو مدت دار زکی محنت اور جہد مسلسل کے بعد بھی حاصل نہ ہوتی۔

کرو۔ میں نے کہا جی حضرت، اور میں چل پڑا، تیسری بار پھر حضرت نے آواز دی اور بیکی کہا۔

میں وضو کرنے لگا تو حضوری قلب اور خوفِ خداوندی کی ایسی کیفیت محسوس ہوئی کہ میں نے پوری زندگی میں ایسا وضو کبھی نہیں کیا تھا، وضو کر کے میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضرت نے فرمایا: جاؤ اللہ کے واسطے دور کعت نماز پڑھو۔

"اللہ کے واسطے"، حضرت کا یہ جملہ میرے دامغ کو جھنجورتا ہوا میرے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہو گیا اور اس کا اثر میرے جسم کے ایک ایک عضو سے ظاہر ہونے لگا، رگوں میں ایک حرارتی دوڑ گئی اور مجھے کلپنی سی محسوس ہونے لگی، کسی طرح میں پلٹا ہی تھا کہ حضرت نے پھر فرمایا: تم نے سمجھا یا نہیں؟ اللہ کے واسطے نماز پڑھو۔ میں نے کہا جی بہت خوب۔ میں نے جیسے ہی قدم بڑھایا حضرت نے تیسری بار پھر وہی جملہ دھرایا اور میں نے وہی جواب دیا۔

رعوب و بہیت اور استحضار نیت کے ساتھ میں نے ایک گوشہ میں نے نماز شروع کی، تکمیل تحریک کے بعد جیسے ہی میں نے ہاتھ باندھا تو محسوس ہوا کہ دنیا و مافیہا سے میرا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اور میں مشاہدہ جلال میں غرق ہوا جا رہا ہوں، مجھے خوف و خشیت اور لذت و سرور کی ایسی کیفیت محسوس ہونے لگی جس کا احساس مجھے پوری زندگی نہیں ہوا تھا، دل کی دھڑکن تیز تر ہو گئی، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، میں زار و قطار روتا رہا اور نماز ادا کرتا رہا، کسی طرح دور کعت مکمل ہوئی۔

سلام پھرلنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ہی بھول گیا تھا، میں نے پھر سے نیت باندھی اور پھر اسی کیف و سرور کے ساتھ دور کعت مکمل کی۔ نماز پوری ہوئی تو پھر خیال آیا کہ سورہ فاتحہ تو میں نے پڑھی لیکن ساتھ میں سورہ ملانا بھول گیا، مجھے حد درجہ ندامت ہوئی، اور پھر پورے استحضار کے ساتھ میں نے دوبارہ نیت باندھی اور نماز مکمل کی، میں نے پھر غور کیا تو احساس ہوا کہ اس مرتبہ کوئی دوسرा واجب چھوٹ گیا ہے، میں نے پھر نماز دوہرائی اور پھر غور کیا تو یہی احساس ہوا کہ مجھ سے کوئی واجب ترک ہو گیا اور میری نماز ناقص ہی رہ گئی۔

خدا ہی جانتا ہے کہ میں نے کتنی بار نماز دھرائی، میرے اندازہ

## چاراگردار غیر مسلموں میں

جو مسلمان بھائی اپنے روزگار کے حصول یا کسی اور جائز مقصد کے لیے غیر مسلم ملکوں میں جا کر آباد ہوئے ہیں، انہیں یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ ان کا اچھایا برا طرز عمل ان کی ذات کی حد تک محدود نہیں، ان ملکوں کے لوگ انہیں اسلام کا نامانندہ سمجھتے ہیں، اور ان کے کردار کو دیکھ کر ان کے دین اور ان کے وطن کے بارے میں اچھی یا بری رائے قائم کرتے ہیں، اسلام کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ دنیا کے بیشتر حصوں میں اسلام کی شروع اشاعت زیادہ تر تاجروں کے ذریعہ ہوئی جو ان علاقوں میں تجارت اور کسب معاش کے لیے گئے تھے، لیکن ان کا پاکیزہ کردار، ان کی سچائی اور ان کی امانت و دیانت جسم تبلیغ ثابت ہوئی، انہوں نے اپنی سیرت کی مقنایتی طاقت سے غیر مسلموں کو اسلام کی طرف کھینچا، اور بالآخر اسلام کی روشنی سے پورے خطے کو جگگا دیا۔

اگر ہم غیر مسلموں کے سامنے جھوٹ، عہد ٹکنی، دھوکہ فریب اور خیانت کے مرٹکب ہوتے ہیں تو صرف اپنی ذات پر نہیں، اپنے دین پر، اپنی قوم اور اپنے وطن پر وہ داغ لگاتے ہیں جسے مٹانا آسان نہیں، اور قرآن کریم کی یہ روشنی کھڑے کر دینے والی وعید اس طرز عمل پر صادق آتی ہے کہ جو لوگ اللہ کے راستے سے دوسروں کو روکتے ہیں، انہیں ایک دردناک عذاب کی خوشخبری سنادو۔ پھر اس طرز عمل پر شرمندہ ہونے کے بجائے اس کی تاویلیں کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش، ”عذر گناہ بدتر از گناہ“ کے مترادف ہے۔

”جو مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں رہتے ہیں، خواہ وہاں کی شہریت اختیار کر کے یا عارضی اقامت کے طور پر، وہ وہاں کی حکومت سے ایک باقاعدہ معاهدے کے تحت رہتے ہیں، اس معاهدے کی پاسداری ان کے ذمہ شرعاً لازم ہے، اور اس کی خلاف ورزی شرعی اعتبار سے بھی سخت گناہ ہے، جہاد کے ذریعہ کفر اور اسلام دشمنی کی شوکت توڑنے کا جذبہ اپنی جگہ بڑا قابل تعریف ہے، لیکن اس کے لیے اپنا کردار اور اپنے بازو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، عہد ٹکنی، چوری اور دھوکہ فریب کے ذریعہ دوسرے مذہب والوں کو زک پہنچانا کفر کا شیوه ہے، اسلام اور مسلمانوں کا نہیں، اسلام نے جہاں جہاد کی فضیلت بیان کی ہے، وہاں اس کے مفصل احکام اور آداب بھی بتائے ہیں، بلکہ دنیا کی تاریخ میں اسلام نے سب سے پہلے جنگ کو ان قواعد و آداب کا پابند بنایا جو شرافت اور بہادری کا حسین امتراج ہیں، ورنہ اس سے پہلے جنگ، قتل و غارت گری کا دوسرا نام تھا جو کسی قسم کی حدود و قیود کی پابند نہیں تھی، اسی طرح یہ اسلام ہی تھا جس نے بین الاقوامی تعلقات کے مفصل احکام وضع کیے جو امن اور جنگ دونوں حالتوں پر حاوی ہیں، اگر ہم ان احکام و آداب کو نظر انداز کر کے من مانی کارروائیاں کریں گے تو ایک طرف شریعت کی خلاف ورزی کا شدید گناہ اپنے سر لیں گے، دوسرے اپنے طرز عمل کے ذریعہ لوگوں کو اسلام اور مسلمانوں سے متنفر کر کے اسلام کی پیش قدمی میں رکاوٹ ڈالنے کے مجرم ہوں گے۔

R.N.I. No.  
UPURD/2009/28748

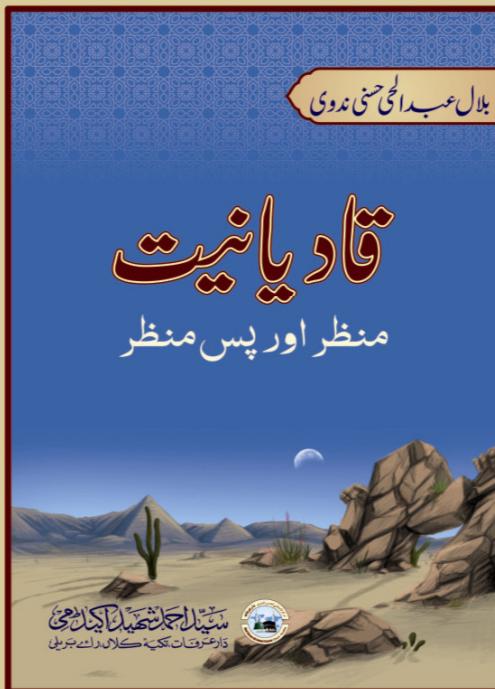
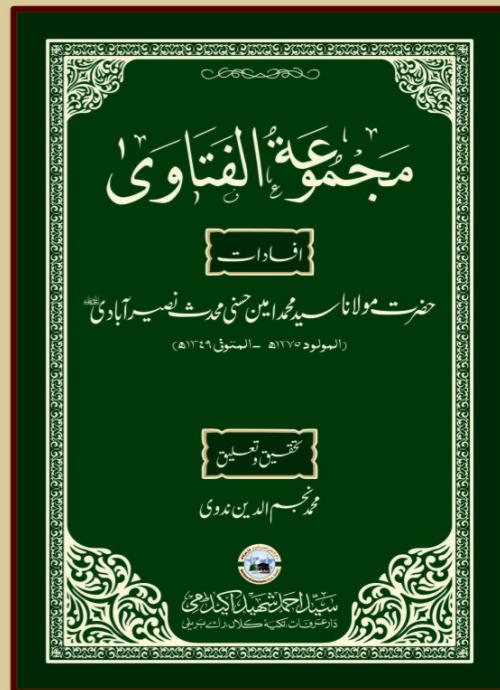
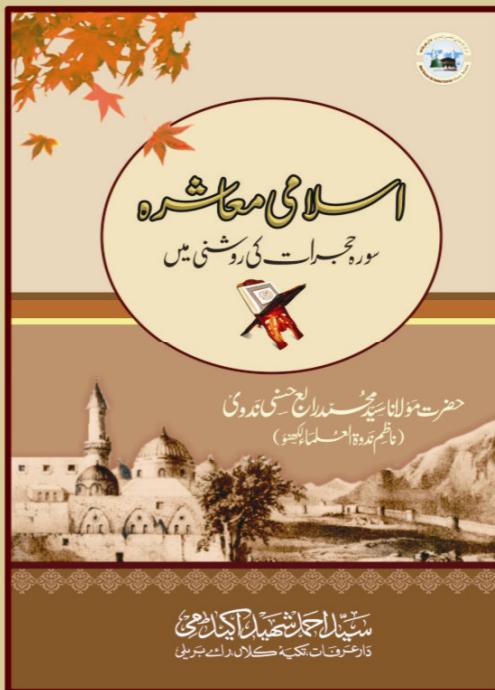
Monthly  
**Payam-e-Arafat**  
Raebareli

Postal Reg. No.  
RBL/NP -19

Volume: 09

MARCH 2017

Issue: 03



Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi

**MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI**

E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812

Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.

Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)